نقطۂ نظر

عورتوں کی شہادت قرآن و حدیث کی روشنی میں

مولانا محمد طاسین

۱۹۸۳ء میں وفاقی شرعی عدالت میں حدود آرڈیننس میں عورتوں کی شہادت سے متعلق حصّے کو چیلنج کیا گیا۔ عدالت نے اس سلسلے میں علماء سے معاونت کیلئے درخواست کی۔۔ عدالت کے استفسار پر مولانا محمد طاسین صاحب نے اپنی تحقیق پر مشتمل جواب عدالت میں پیش کیا۔ وہی مضمون معمولی کمی بیشی کے ساتھ قارئین فکرونظر کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اگر دیگر اصحاب علم و فضل اس موضوع پر اپنی تحقیق پیش کرنا چاہیں تو فکرونظر کے صفحات حاضر ہیں۔ (ادارہ)

زیر نظر مضمون میں اصل مقصود، اُس ہدایت اور روشنی کو سامنے لانا ہے جو عورت کی شہادت و گواہی کے متعلق اسلام کے حقیقی مأخذ قرآن و حدیث میں پائی جاتی ہے لیکن اصل مقصود سے پہلے مختصر طور پر یہ عرض کر دینا مناسب اور مفید سمجھتا ہوں کہ جہاں تک اُن بنیادی انسانی حقوق کا تعلق ہے جو ہر انسان کو بحیثیت انسان کے پیدائشی و فطری طور پر حاصل ہوتے ہیں مردوں اور عورتوں کے درمیان اُن میں کچھ فرق و امتیاز نہیں جس طرح یہ

حقوق مردوں کو حاصل ہوتے ہیں بالکل اسی طرح خواتین کو بھی حاصل ہوتے ہیں کیونکہ اُن کا تعلق جس انسانیت سے ہے وہ مردوں اور عورتوں میں یکساں طور پر موجود ہوتی ہے نیز ، ان کا تعلق جن انسانی ضرورتوں سے ہے وہ بھی مردوں اور عورتوں دونوں میں برابری کے ساتھ پائی جاتی ہیں ۔ بنیادی انسانی حقوق میں پہلا حق ، اپنی طبعی عمر تک امن و اطمینان کے ساتھ زندہ رہنے کا حق ہے ، دوسرا حق ، آزادی و حریّت کا حق ہے یعنی جو امور و معاملات فرد کی ذات سے تعلق رکھتے اور جن سے اس کا ذاتی نفع و نقصان وابستہ ہو وہ اس کی آزاد مرضی سے طے پائیں دوسرا کوئی جبراً اپنی مرضی اس پر مسلط نہ کرے ۔ تیسرا حق قدرتی وسائل رزق سے استفادہ اور کسب معاش کے سلسلہ میں جدوجہد کر سکنے کا حق ہے ، یعنی ہر شخص کا یہ حق ہے کہ اسے قدرتی وسائل رزق سے رزق حاصل کرنے اور معاشی جدوجہد کا مساوی موقع حاصل ہو ۔ چوتھا حق ، شخصی ملکیت کا حق ہے مطلب یہ کہ جو اشیاء کسی انسان کی دماغی جسمانی محنت وسعی سے وجود میں آئی ہوں نیز وہ اشیاء جو دوسرے کی طرف سے اس کی طرف لین دین کے ایسے طریقہ سے منتقل ہوئی ہوں جس میں دوسرے کی حقیقی رضا مندی موجود ہوتی ہے اُن اشیاء سے انتفاع و استفادے کا حق و اختیار اُسی انسان کے لئے مخصوص ہو ، دوسرا کوئی اُس کی رضامندانہ اجازت کے بغیر اُن میں تصرف اور اُن سے استفادہ کرنے کا مجاز نہ ہو ۔ پانچواں حق کام و محنت کی عادلانہ اجرت کا حق ہے یعنی نوعیت اور مقدار کے لحاظ سے جیسا اور جتنا کسی کا کام و عمل ہو اس کے مطابق اس کی اُجرت ہو ۔ چھٹا بنیادی حق تکریم و احترام کا حق ہے یعنی ہر انسان کا یہ حق ہے کہ اُسَ کو مکرّم و محترم سمجھا اور اس کے ساتھ

تکریم و احترام کا سلوک کیا جائے اور اُس کی اهانت و تحقیر سے بچا جائے ۔ ساتواں بنیادی حق ، تحفظ جان ، مال اور آبرو ہے یعنی ھر انسان کا یہ انسانی حق ہے کہ اُس کی جان ، اُس کا مال اور اس کی عزت و آبرو محفوظ ھو ، قانونی تقاضے کے بغیر نہ کوئی اُس کی جان کو اذیت و ضرر پہنچائے نہ اس کے مال پر دست درازی کرے اور نہ اس کی عزت و آبرو پر گند اُچھالے ۔ آٹھواں بنیادی حق ، قانون جزاء و سزا میں برابری کا حق ہے یعنی جو جزاء و سزا ایک انسان کے اچھے برے عمل کی ھو وھی جزاء و سزا ھر دوسرے انسان کے اچھے برے عمل کی بھی ھونی ضروری ہے ۔

اسلام مذکورہ بنیادی حقوق ھر فرد انسان کے لئے تسلیم کرتا اور چاھتا ہے کہ بلا کسی تخصیص و امتیاز ھر مرد اور عورت کے لیئے یہ حقوق محفوظ ھوں اور اس کے نزدیک ایک صحیح اسلامی معاشرہ وھی ہے جس کے اندر ھر فرد کے لئے بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کا انتظام ھو کیونکہ اس کے بغیر کسی کو پائدار امن و اطمینان کی وہ خوشگوار زندگی اور حیات طیبہ نصیب نہیں ھو سکتی جس کی طلب و خواھش ھر انسان کے اندر پیدائشی اور فطری طور پر پائی جاتی اور جس کے حاصل ھو جانے کو اسلام ، انسان کی فلاح و کامیابی قرار دیتا ہے ۔

خلاصہ یہ کہ اسلام اُن بنیادی انسانی حقوق میں مردوں اور عورتوں کے مابین مساوات کا قائل ہے جن کے تحفظ سے انسان کی زندگی پر مثبت و خوشگوار اثرات اور عدم تحفظ سے منفی اور ناخوشگوار اثرات پڑتے ، تحفظ سے مسرت و اطمینان اور امن و سکون کی کیفیت پیدا ھوتی اور عدم تحفظ سے بےچینی و بےاطمینانی وجود میں آتی ہے لیکن زندگی کے اُن فرائض و واجبات میں جن کی

ادائیگی اور انجام دہی پر تمدن و اجتماع کے قیام و بقا کا دارومدار ہے اسلام مردوں اور خواتین کے مابین مساوات و برابری کا قائل نہیں بلکہ واضح اور قطعی طور پر فرق و امتیاز کا داعی اور علمبردار ہے، بعض فرائض کا وہ خاص طور پر مردوں کو ذمہ دار اور مکلف ٹھہراتا اور بعض فرائض خواتین پر عائد کرتا ہے، فرائض حیات اور واجبات زندگی کے معاملے میں اسلام مردوں اور عورتوں کے مابین جو فرق و امتیاز کرتا ہے دراصل اُس کی وجہ وہ فرق و اختلاف ہے جو جسمانی بناوٹ و ساخت،طبیعت و مزاج کی نرمی و سختی ، قوت کار اور قدرت برداشت کی کمی و بیشی ، نیز مختلف حالات اور اوقات میں طاری ہونے والے صنفی عوارض کے لحاظ سے مردوں اور عورتوں کے درمیان پایا جاتا ہے، دونوں اصناف کے مابین یہ فرق و اختلاف ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ، بلکہ پوری انسانیت کے نزدیک یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جس کی وجہ سے ہر انسانی معاشرے میں مردوں اور عورتوں کے درمیان فرائض کے میدان میں فرق و امتیاز پایا جاتا ہے۔جس طرح یہ فرق و امتیاز ماضی کے ہر ملک و معاشرے میں ملتا ہے اسی طرح حال کے تمام ملکوں اور معاشروں میں بھی کار فرما نظر آتا ہے، مشرقی معاشرے ہوں یا مغربی ، غیر متمدن و پسماندہ ممالک ہوں یا متمدن اور ترقی یافتہ ممالک سب کے اندر اس فرق و اختلاف کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے جو فرائض کے حوالے سے مردوں اور عورتوں کے درمیان پایا جاتا ہے، مثلاً ہر جگہ ایسے فرائض زندگی مردوں سے مخصوص نظر آتے ھیں جن کی اِدائیگی میں زیادہ قوت درکار ہوتی اور غیر معمولی زحمت و مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے جبکہ اس کے بالمقابل عورتوں سے مخصوص فرائض-آسان و سہل اور ان کے حسب حال دکھائی دیتے ھیں ۔

قرآن و حدیث میں جو اسلامی تعلیمات ھیں اُن سے ایسا معلوم ھوتا ہے که اسلام عورت کے فرائض کے دائرہ کو خانگی اور گھریلو امور و معاملات تک محدود رکھنا چاھتا ہے یعنی وہ یه چاھتا ہے که عورت کی اصل اور زیادہ تر توجه گھریلو امور و معاملات کی طرف رھے اور وہ اُن کو سدھارنے اور بہتر سے بہتر بنانے کی پوری سعی و کوشش کرے اگرچه وہ بوقت ضرورت ایسے فرائض میں بھی حصه لے سکتی ہے جو اجتماعی امور و معاملات سے تعلق رکھتے ھیں بشرطیکه اس سے اس کے اصل فرائض میں کوتاھی واقع نه ھو اور اُن کو نقصان نه پہنچے۔ جبکه اسلام ، مردوں کے دائرۂ فرائض کو اجتماعی زندگی کے ان امور سے متعلق قرار دیتا ہے جن کی ادائیگی عموماً مشکل اور مشقت طلب ھوتی اور جن سے عہدہ برآ ھونے کے لئے نسبةً زیادہ دماغی اور جسمانی قوت کی ضرورت ھوتی ہے جو عام طور پر خواتین کے بالمقابل مردوں کے اندر پائی جاتی ہے لیکن اس کا یه مطلب نہیں که مرد گھریلو امور سے متعلق فرائض میں از روئے اسلام حصه لے ھی نہیں سکتے اور اُن کیلئے جائز نہیں بلکه بلاکسی کراھیت کے حصه لے سکتے ھیں بشرطیکه اُن کے اصل فرائض میں رکاوٹ پیدا نه ھو۔

یہاں یه واضح کر دینا ضروری ہے که معاشرتی فرائض کے ناطے سے جو معاشرتی حقوق وجود میں آتے ھیں اُن میں بھی مردوں اور عورتوں کے درمیان فرق و اختلاف پایا جانا قدرتی امر ہے بعض حقوق میں عورتوں کو مردوں پر اور دوسرے بعض حقوق میں مردوں کو عورتوں پر فوقیت و برتری حاصل ھوتی ہے اس قسم کے حقوق میں اسلام عورتوں اور مردوں کے درمیان مساوات کا قائل نہیں بلکه فرق و تفاوت کا دعویدار ہے۔

اب میں اصل مقصد کی طرف آتا ہوں یعنی یہ کہ عورت کی گواہی و شہادت کے متعلق قرآن و حدیث میں جو ہدایت و راہنمائی ہے وہ کیا ہے ؟ اس سلسلہ میں جو پہلی بات قابل وضاحت ہے وہ یہ کہ کسی معاملے میں گواہ بننا اور قاضی کے سامنے گواہی دینا ، معاشرتی فرائض میں سے ایک فریضہ ہے جس سے مقصود افراد کے حقوق کا تحفظ اور عدل کا قیام ہے اور اس اجتماعی فریضے کا درجہ شرعاً فرض کفایہ کا سا ہے ، جب معاشرے کے بعض افراد اس کو ادا کر دیں تو سب کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے ، شہادت کی اہلیت رکھنے والے ہر ہر فرد پر عملاً اس فریضے کی ادائیگی لازم اور واجب نہیں ہوتی بلکہ بعض کی ادائیگی سے تمام کی طرف سے ادائیگی ہو جاتی ہے اور اگر کوئی بھی یہ فریضہ ادا نہ کرے تو سب گنہگار قرار پاتے ہیں ۔

عورت کی شہادت کے بارے میں جب ہم قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ جہاں تک شہادت و گواہی کی اہلیت کا تعلق ہے وہ مردوں اور عورتوں دونوں کو یکساں طور پر حاصل ہے دونوں تحمل شہادت اور اداء شہادت کے مساوی طور پر اہل ہیں ۔ اسی طرح جہاں تک بحیثیت مسلمان شہادۃ کی ذمہ داری کا تعلق ہے اُس میں بھی مرد اور عورت دونوں برابر اور یکساں طور پر اُس کے ذمہ دار اور مکلّف ہیں اس بارے میں نظری طور پر دونوں کا درجہ برابر ہے گو عملی طور پر برابر نہیں جس کی تفصیل آ گے آئے گی ۔

اس امر کا ثبوت کہ قرآن و حدیث کی رو سے مسلمان مردوں کی طرح مسلمان عورتیں بھی شہادت کی اہل اور ذمہ دار و مکلف ہیں قرآن مجید کی جن آیات سے فراہم ہوتا ہے ان میں سے ایک سورۃ

البقرة کی آیت مدائنہ ہے جس کا نمبر دو سو بیاسی (۲۸۲) ہے اِس آیت میں مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے جب تم ایک مدت تک آپس میں قرض کا لین دین کرو تو دستاویز میں لکھ لیا کرو اور پھر اس بارے میں لکھنے والے اور لکھوانے کے لئے کچھ ھدایات دینے کے بعد فرمایا :

واستشهدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ الآية : اور اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ بناؤ ۔ پس اگر دو مرد نہ ھوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بناؤ اُن گواھوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ھو ۔

آیت کے اس ٹکڑے سے صاف ظاھر اور ثابت ھوتا ہے کہ شُہَدَآء میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ھیں اور دونوں کو شہادت و گواھی کی اھلیت حاصل ہے اور شہید بمعنے گواہ کا اطلاق دونوں پر ھوتا ہے ، اس میں یہ فرمانا کہ گواہ بنانے کے لئے دو مرد موجود نہ ھوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بناؤ اس پر قطعیت کے ساتھ دلالت کرتا ہے کہ عورتیں شہادت کی اھلیت رکھتی ھیں اور اُن کو گواہ بنایا جا سکتا ہے ، اس آیۃ میں کچھ آ گے یہ جو فرمایا گیا کہ : وَلَايَأْبَ الشُّهَدَآء اِذَا مَا دُعُوْا ۔ اور گواھوں کو انکار نہیں کرنا چاھئیے جب وہ گواہ بننے اور گواھی دینے کے لئے بلائے جائیں ۔ اس کا تعلق بھی جس طرح مرد گواھوں سے ہے اسی طرح خواتین گواھوں سے بھی ہے اس میں دونوں کو شہادت کی ذمہ داری کا احساس دلایا گیا ہے ۔ اِس کے بعد آیۃ نمبر دو سو تیراسی میں ارشاد الٰھی ہے : وَلَاتَكْتُمُوْ ا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَاِنَّه آثم قَلْبُهٗ ۔ اور شہادت کو مت چھپاؤ پس جو شہادت کو چھپائے اُس کا دل گنہگار ہے اس آیۃ کے مخاطب بھی بالاتفاق مرد اور عورتیں دونوں ھیں کیونکہ جس طرح مردوں کے لئے

کتمانِ شہادت کی ممانعت ہے اسی طرح خواتین کے لئے بھی ممانعت ہے اور کتمان شہادت کا گناہ ہونا بھی دونوں کے حق میں برابر ہے۔

تیسری آیت سورہ النسآء کی آیت نمبر ۱۳۵ اور چوتھی آیت سورۂ المائدہ کی آیت نمبر ۸ ہے۔ اول الذکر یوں ہے : یَآاَیّھاَ الّذِیْنَ آمَنُوا کُوْنُوْا قَوّامِیْنَ بِالقِسطِ شُھَدَآء للهِ الآیۃ (ترجمہ) اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ، ہو جاؤ انصاف پر پوری مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے والے ، اللہ کے لئے شہادت دینے والے۔

ثانی الذکر یعنی سورہ المائدۃ کی آیت نمبر ۸ اس طرح ہے : یَآاَیُھَاَالّذِیْنَ آمَنُوْ کُوْنُوْا قوَامِیْن للهِ شُھَدَآء بالْقِسْطِ ۔

ترجمہ : اے ایمان والو ہو جاؤ اللہ کے لئے مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے انصاف کے ساتھ شہادت دینے والے۔

ان مذکورہ دونوں آیات میں مخاطب اگرچہ بظاہر مسلمان مرد ہیں لیکن مسلمان خواتین بھی اُن میں ضرور شامل ہیں کیونکہ ان آیات کے اندر جو ھدایت و تعلیم ہے وہ جس طرح مسلمان مردوں سے متعلق ہے مسلمان خواتین سے بھی متعلق ہے۔عدل کے ساتھ شہادت دینے کا شرعی حکم جس طرح مومن مردوں کے لئے ہے اسی طرح مومن عورتوں کے لئے بھی ہے دونوں اس حکم کے یکساں طور پر مکلّف اور ذمہ دار ہیں ، پھر چونکہ یہ ظاہر ہے کہ تحمّل شہادت اور اداء شہادت کا مکلّف وہی ہو سکتا ہے جو اس کی اہلیت رکھتا ہو لہذا اس سے یہ ثابت ہوا کہ مسلمان مردوں کی طرح مسلمان خواتین بھی ہر معاملے میں شہادت کی اہلیت رکھتی ہیں اور اُن کی شہادت قابل اعتبار ہے جب کہ وہ عاقل بالغ اور آزاد ہوں۔

اس بارے میں سورۂ النور کی وہ آیات بھی خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن کو آیاتِ لعان کہا جاتا ہے کیونکہ اُن کے اندر عورت کی

شہادت کا نہایت واضح بیان ہے ارشاد ربّ العزت ہے :

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَھُمْ وَلَمْ یَکُنْ لَھُمْ شُھَدَآءُ اِلاّ اَنْفُسُھُمْ فَشَھَادَۃُ اَحَدِھِمْ اَرْبَعُ شَھَادَاتٍ بِاللّٰہِ اِنَّہ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ وَالْخَامِسَۃُ اَنّ لَعْنَتَ اللّٰہِ عَلَیْہِ اِنْ کَانَ مِنَ الْکَاذِبِیْنَ و یَدْرَءُ عَنْھَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْھَدَ اَرْبَعَ شَھَادَاتٍ بِاللّٰہِ اِنَّہٗ لَمِنَ الْکَاذِبِیْنَ وَالْخَامِسَۃَ اَنّ غَضَبَ اللّٰہِ عَلَیْھَا اِنْ کَانَ مِنَ الصّادِقِیْنَ

ترجمہ : اور جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس سوائے خود کے اور گواہ نہ ہوں تو اُن کی شہادت یہ ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ تہمت لگانے میں سچا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اُس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو ، اور اس کے بعد عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کي قسم کھا کر یہ کہے کہ تہمت لگانے میں میرا شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر وہ سچا ہے۔

ان آیات میں جس طرح شوہر کے بطور لعان کہے گئے اقوال کو شہادات سے تعبیر کیا گیا ہے اسی طرح بطور لعان عورت یعنی بیوی کے کہے گئے اقوال کو بھی شہادتوں سے تعبیر فرمایا گیا ہے جو اس پر صراحۃً دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالی نے عورت کو شہادت و گواھی کا اهل قرار دیا اور اُس کی شہادت کو معتبر ٹھہرایا ہے۔

احادیث نبویّہ میں سے وہ حدیث عورت کی اہلیت شہادت پر واضح دلیل ہے جس میں فرمایا گیا ہے : شَھَادَۃُ النِّسآءِ جَائِزَۃٌ فِیْمَا لاَیَسْتَطِیْعُ الرِّجَالُ النَّظَرَ اِلَیْہِ ، عورتوں کی شہادت ایسے امور میں جائز ہے جن پر مردوں کی نگاہ نہیں پڑتی جیسے ولادت ، ، رضاعت اور بکارت وغیرہ جو عموماً عورتوں ھی کے دیکھنے میں آتے ھیں ۔ حدیث کی کتاب مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ میں متعدد ایسے

آثار صحابہ ھیں جن میں عورتوں سے مخصوص حالات اور عیوب کے بارے میں عورتوں کی شہادت کے معتبر ہونے کا ذکر ہے۔

بہرحال جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ جہاں تک شہادت کی اہلیت اور ذمہ داری کا تعلق ہے اسلام نظری طور پر مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے اس کو مساوات و برابری کے ساتھ تسلیم کرتا ہے لیکن صنفی طور پر ان دونوں کے جو خصوصی حالات و کوائف ھیں اُن کے پیش نظر عملی طور پر اُن کی شہادتوں کے مابین بعض پہلوؤں سے کچھ فرق بھی ضرور کرتا ہے جس کی کچھ تفصیل اس طرح ہے:

شہادت و گواھی سے متعلق قرآن و حدیث میں جو نصوص ھیں اُن سے یہ ثابت اور واضح ھوتا ہے کہ بعض امور میں عملی طور پر مرد اور عورت کی شہادت کے مابین کچھ فرق نہیں بلکہ کامل مساوات ہے جیسے وہ شہادت جس پر کسی انسان کے مومن و مسلم ہونے کا دار و مدار ہے یعنی کلمہ شہادت کے ذریعے اللہ کی الوھیت، توحید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت ہے۔جس طرح ایک ھی مرتبہ ایک مرد جب کلمہ شہادت پڑھ کر اللہ کی الوھّیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دیتا ہے تو وہ مومن و مسلم بن جاتا ہے اسی طرح ایک عورت بھی ایک مرتبہ کلمہ شہادت پڑھنے سے مومن و مسلم بن جاتی ہے شرعاً دونوں کی اس شہادت کا یکساں طور پر اعتبار ہے یعنی اس کے بعد دونوں پر یہ ذمہ داری عائد ھو جاتی ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے شرعی احکام کی پابندی کریں۔

اسی طرح کی ایک اور شہادت جس کی ادائیگی میں مرد اور عورت دونوں کی مساوی حیثیت ہے لعان کی شہادت ہے جس کا سورۃ النور کی آیت نمبر ۶،۷،۸ اور ۹ میں ذکر ہے یہ آیات ایک دوسرے

مقصد سے پہلے نقل کی جا چکی ھیں ان آیات میں جس طرح حد قذف سے بچنے کے لئے شوھر کی طرف سے چار حلفیہ شہادتوں کا ذکر ہے اسی طرح بیوی کی طرف سے حد زنا سے بچنے کے لئے حلفیہ چار شہادتوں کا ذکر ہے یعنی دونوں کی طرف سے شہادتوں کی تعداد برابر ہے،ایسا نہیں کہ مرد کی شہادتوں کی جو تعداد ہے عورت کی شہادتوں کی تعداد اُس سے دگنی ھو ، یہ شائد اس لئے کہ دونوں کی جان یکساں طور پر محترم ہے جس کو یہاں سزا سے بچانا مقصود ہے۔

بعض امور و معاملات میں عملاً صرف عورت کی شہادت معتبر ہے،باوجود اھلیت شہادت ھونے کے مرد کی شہادت اُن امور و معاملات میں قابل قبول نہیں ، بعض احادیث و آثار میں ایسے امور و معاملات سے مراد عورتوں سے تعلق رکھنے والے وہ خاص حالات ھیں جن کا علم عموماً عورتوں کو ھی ھوا کرتا ہے مثلاً ولادت کے وقت بچے کی حالت کہ وہ زندہ تولّد ھوا تھا یا مردہ ، یا مثلاً اپنا دودھ پلانے کا معاملہ ، یا مثلاً حیض و نفاس کی حالت وغیرہ چونکہ مردوں کے لئے شرعاً یہ جائز نہیں ھوتا کہ وہ مذکورہ امور پر نگاہ ڈالیں اور معلوم کرنے کی کوشش کریں خواہ وہ محرم ھی کیوں نہ ھوں لہذا مذکورہ امور و معاملات میں مردوں کی شہادت کا اعتبار نہیں صرف عورت کی شہادت کا اعتبار ہے خواہ وہ تنہا ایک ھی کیوں نہ ھو۔

بعض امور و معاملات میں مرد اور عورت دونوں کی شہادت عملاً درست اور معتبر تسلیم کی گئی ہے لیکن اس فرق کے ساتھ کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر ہے ایسے امور و معاملات سے مراد وہ مالی اور معاشی قسم کے معاملات ھیں جن میں اُدھار،لین دین اور ایک فریق کا دوسرے کے ذمے مالی حق لازم ھوتا ہے

جو کچھ وقت کے بعد ادا کرنا پڑتا ہے۔تحفظ حق کے لئے دستاویز لکھی جاتی اور گواہ مقرر کئے جاتے ھیں تاکہ بوقت ضرورت کام آئے اور سند رھے ، اس کا ثبوت قرآنِ مجید کی جس آیت سے واضح طور پر فراھم ھوتا ہے وہ سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۲۸۲ ہے جسے آیت مدائنہ کہا جاتا ہے یہ آیت عورت کی اھلیت شہادت کے سلسلہ میں پیش کی جا چکی ہے۔

اس آیت مبارکہ کے الفاظ اور اسلوب بیان سے چند باتیں مفہوم ھوتی ھیں ، پہلی بات یہ کہ بازار و منڈی سے تعلق رکھنے والے تجارتی معاملات سے چونکہ عورتوں کے مقابلہ میں مردوں کا واسطہ زیادہ رھتا ہے اور وہ نسبةً زیادہ دلچسپی سے ان میں حصہ لیتے اور مستعدی کے ساتھ انجام دیتے ھیں لہذا ایسے معاملات سے متعلق شہادت کی ذمہ داری اولاً مردوں پر ڈالی گئی ہے مرد موجود نہ ھوں تو نمبر دو پر یہ ذمہ داری عورتوں پر بھی ڈالی جا سکتی ہے کیونکہ اھلیت شہادت ان کے اندر بھی موجود ھوتی ہے ، میں سمجھتا ھوں شہادت و گواھی کے فریضہ میں مردوں کو عورتوں پر اولّیت دینے اور مردوں کی موجودگی میں عورتوں کو گواہ نہ بنانے کی وجہ یہ نہیں کہ عورتوں کی اھلیت شہادت میں کچھ کمی اور نقص ہے بلکہ اس کی ایک وجہ میرے نزدیک بربنائے رحمت و مہربانی ، عورتوں کو اس زحمت و تکلیف سے بچانا ہے جو شہادت و گواھی کے سلسلہ میں عدالت جانے آنے اور قاضی و جج کے سامنے پیش ھو کر شہادت دینے میں شاھد کو ضرور برداشت کرنا پڑتی ہے اور جسے عورت طبعاً اور عادةً آسانی اور خوشی کے ساتھ برداشت نہیں کر سکتی ، کرتی ہے تو اس پر ضرور شاق گزرتی ہے اور اس کے لئے پریشانی کا موجب بنتی ہے۔

اور دوسری وجہ عورت کو اس تقصیر و کوتاھی سے محفوظ رکھنا ہے جو فریضۂ شہادت کی ادائیگی میں مشغول ہونے سے اُس کے اصل گھریلو فرائض میں خلل پڑتا ہے۔

واضح رہے کہ میری اس توجیہہ کا تعلق عورتوں کی عظیم اکثریت سے ہے ورنہ بلاشبہ کچھ عورتیں ایسی بھی ہو سکتی ہیں ممکن ہے جن کے متعلق یہ توجیہہ درست نہ ہو لیکن یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ کسی نوع ، صنف اور جمعیت کے متعلق جو قانون ہوتا ہے وہ اس کے افراد کی بڑی اکثریت کے لحاظ سے ہوتا ہے سو فیصد تمام افراد کے لحاظ سے نہیں ہوتا ورنہ تو پھر دنیا میں قانون نام کی کوئی شے موجود ھی نہ ہو۔

بالفاظ دیگر میری مذکورہ توجیہہ کا مختصر مطلب یہ ہے کہ جہاں کسی معاملہ کی شہادت کے لئے مرد اور عورتیں دونوں موجود ہوں جیسے قرض ، لین دین کا معاملہ ، وہاں مردوں کو شہادت کے لئے اولیّت دینا ، عورتوں کی تنقیص کی بنا پر نہیں بلکہ ان کی ذاتی مصلحت اور خاندان کی مصلحت کی بنا پر ہے۔

دوسری بات جو اس آیت سے مفہوم ہوتی ہے وہ یہ کہ لفظ شہدآء جو شہید کی جمع ہے مردوں سے مختص نہیں بلکہ اس میں خواتین بھی داخل اور شامل ہیں کیونکہ اس آیت میں یہ فرمانے کے بعد کہ دو مردوں کو گواہ بناؤ پس اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بناؤ،یہ فرمانا کہ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ، اُن میں سے جن کو تم پسند کرتے اور قابل اعتماد گردانتے ہو ، یہ بتلاتا ہے کہ عورتیں بھی شہدآء میں شامل ہیں چنانچہ قرآن کی جن دوسری آیات میں لفظ شہدآء مذکور ہے جمع مذکر ہونے کی وجہ سے اُسے صرف مِردوں سے مخصوص نہیں سمجھنا چاھئیے بلکہ اس

کے مجموعے میں ضمناً عورتوں کو بھی شامل سمجھنا ضروری ہے پھر جبکہ قرائن بھی اس کا تقاضا کر رہے ہوں۔

تیسری بات جو اس آیت سے مفہوم و مستنبط ہوتی ہے وہ یہ کہ اس میں شہید بمعنے گواہ کا جو لفظ ہے اس کا مصداق جس طرح تنہا ایک مرد گواہ ہے اس طرح تنہا ایک عورت گواہ نہیں بلکہ دو عورتوں کا مجموعہ لفظ شہید بمعنے گواہ کا مصداق ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر مذکورہ قسم کے معاملات میں جو مالی حقوق سے تعلق رکھتے ہوں ایک مرد اور ایک عورت کی شہادت موجود ہو تو وہ کافی نہ ہو گی کیونکہ اس میں مطلوبہ دو شہید بمعنے گواہ موجود نہیں اس لئے کہ اس صورت میں تنہا ایک عورت دوسری کے بغیر شہید نہیں کہلا سکتی بلکہ دوسری کے ساتھ مل کر ھی شہید بمعنے گواہ قرار پاتی اور شرعاً اُس کا اعتبار ہوتا ہے ، غرضیکہ اس آیت سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ مالی معاملات سے متعلق ایک عورت کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر نہیں بلکہ دو عورتوں کی مشترک شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر ہے لیکن اس کا یہ مطلب لینا ہر گز درست نہیں کہ عورت کی اہلیت شہادت مرد کی اہلیت شہادت سے کم اور نصف ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو کسی معاملے میں بھی تنہا ایک عورت کی شہادت معتبر نہ ہوتی حالانکہ بعض معاملات میں ایک عورت کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر تسلیم کی گئی ہے جیسے لعان کا معاملہ جس کا پہلے ذکر ہو چکا ، اس میں شوہر اور بیوی دونوں کی شہادتوں کی تعداد برابر رکھی گئی ہے یعنی چار چار اور اگر عورت کی اہلیت شہادت مرد کے مقابلہ میں نصف ہوتی تو مرد کی چار شہادتوں کے بالمقابل عورت کی آٹھ شہادتیں ہونی چاهئیے تھیں لیکن ایسا نہیں۔لہذا اس سے

یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اہلیت شہادت کے لحاظ سے مرد اور عورت کے مابین کچھ فرق نہیں بلکہ دو عورتوں کی مشترکہ شہادت کو ایک مرد کی شہادت کے برابر قرار دینے کی وجہ وہ ہے جو اس کے بعد کی آیت میں قرآن حکیم نے خود بیان فرمائی ہے :

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰاھُمَا فَتُذَکِّرَ اِحْدٰاھُمَا الْاُخْرٰی، مبادا ایک اُن دو میں سے بھول بھٹک جائے تو دوسری ان میں سے ایک کو یاد دلا دے۔

یہاں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ اس آیت میں جو بات فرمائی گئی ہے بطور علّت نہیں بلکہ بطور حکمت اور مصلحت بیان فرمائی گئی ہے ، چونکہ دو عورتوں کی ایک ساتھ شہادت میں ایک کا بھولنا اور دوسری کا یاد کرانا از روئے عقل ہمیشہ لازمی و ضروری نہیں ہو سکتا ہے کہ اتفاق سے دونوں کا شہادتی بیان یکساں ہو اور کسی کو بھولنے اور یاد کرانے کی نوبت ہی نہ آئے لہٰذا اس کو حکم مذکور کی علت نہیں کہا جا سکتا کیونکہ علّت کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس کے بغیر کبھی بھی معلول کا وجود نہ پایا جائے،

علاوہ ازیں بھولنا بھٹکنا عورت کی خصوصیت نہیں مرد بھی برابر بھولتے بھٹکتے ہیں ۔ بھولنا بھٹکنا بنی آدم کی خاصیت ہے جس کا ظہور مردوں میں بھی ہوتا ہے اور عورتوں میں بھی ، لہٰذا اگر اس کو دو عورتوں کی مشترک شہادت کی عِلّت قرار دیا جائے تو پھر ایک مرد کی بھی شہادت جائز نہیں ہونی چاہئیے بلکہ دو مردوں کی مشترک شہادت ایک تسلیم کی جانی چاہئیے حالانکہ شریعت میں ایسا نہیں شریعت میں ہر مرد کی شہادت ایک مستقل شہادت ہے۔ البتہ اس آیت میں جو بات فرمائی گئی ہے وہ بلاشبہ ایک حکمت و مصلحت کہلا سکتی ہے جس کا فرعی حکم اور شرعی قانون کے ساتھ پایا جانا ہمیشہ لازمی و ضروری نہیں ہوتا بلکہ فی الجملہ

ضروری ہوتا ہے ، یعنی شرعی حکم کا اُس پر دار و مدار نہیں ہوا کرتا اس کے بغیر بھی حکم اور قانون کا وجود پایا جاتا ہے۔

بہرکیف اس آیت میں جو فرمایا گیا ہے اُس کی تعبیر یوں بھی ہو سکتی ہے کہ : تاکہ فریضۂ شہادت کی ادائیگی میں ایک عورت کو دوسری سے مدد ملے اور اُس کا بوجھ ہلکا ہو ، یعنی شہادت دینے کی ذمہ داری کا جو بوجھ ایک مرد پر پورا پڑتا ہے وہ دو عورتوں پر آدھا آدھا پڑے اور اُن کے لئے اس فریضہ کی ادائیگی میں آسانی و سہولت پیدا ہو ، گویا اس میں خواتین کو اُن کے خاص حالات کی بنا پر خاص رعائت دی گئی ہے جو مردوں کو نہیں دی گئی دو مرد گواہوں کے لئے یہ رعایت نہیں ہے کہ وہ قاضی کے سامنے ایک ساتھ مل کر شہادت دیں اور اُن کے بیانوں میں اختلاف کے باوجود قاضی ان کی شہادت کو قبول کرے جبکہ عورتوں کے لئے یہ رعایت ہے کہ وہ ایک ساتھ مل کر قاضی کے سامنے شہادت دیں اور ان کے بیانوں میں اختلاف کے باوجود ان کی شہادت کو معتبر مانا اور قبول کیا جائے ، بالفاظ دیگر دو مرد گواہوں کے شہادتی بیانوں میں اختلاف ہو تو اُن کی گواہی مسترد ہو جاتی ہے جبکہ ایک ساتھ شہادت دینے والی دو عورتوں کے بیانوں میں اختلاف ہو تو ان کی شہادت مسترد نہیں ہوتی قبول کی جاتی ہے ، علاوہ ازیں شہادت دینے میں دو عورتوں کو ایک ساتھ رکھنے کی ایک مصلحت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اُن کو گھبراہٹ و پریشانی نہ ہو جو اکیلے تنہا ہونے کی صورت میں عورت کو ضرور لاحق ہوتی ہے خصوصاً جب کہ وہ ایک قاضی و جج کے سامنے شہادت کے لئے پیش ہو اور اُسے قاضی اور وکیل کی طرف سے اٹھائے گئے سوالات اور جرح کا سامنا ہو ، ظاہر ہے کہ جب اُس کے ساتھ دوسری مدَدگار عورت موجود ہو تو اس کی ڈھارس بندھتی اور

اس کو سہارا اور حوصلہ ملتا ہے ، نیز ایک دور کی وجہ اس میں یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کمرۂ عدالت میں اگر قاضی اور جج تنہا اکیلا ہو تو اُس کے پاس کسی اجنبی عورت کا تنہا جانا خواہ وہ شہادت دینے کے لئے ھی کیوں نہ ہو شرعاً گناہ اور ممنوع ہے بعض احادیث نبویۂ میں اس کی صریحاً ممانعت ہے البتہ جب ایک عورت کے ساتھ دوسری عورت بھی ہو تو اس کا جواز پیدا ہو جاتا ہے لہذا ہو سکتا ہے کہ عورتوں کے متعلق مذکورہ قانون شہادت کی ایک وجہ یہ بھی ہو ۔

بہرحال یہ ایک واضح اور ناقابل انکار حقیقت ہے کہ قرآن مجید نے مالی معاملات و حقوق سے متعلق شہادت میں ایک مرد کی شہادت کے بدلے دو عورتوں کی مجموعی شہادت کو ضروری قرار دیا ہے اور اس کی وجہ جو اُس نے خود بیان کی ہے وہ یہ کہ شہادت کی ادائیگی میں ایک عورت کو دوسری سے مدد ملے اور اُس کے بوجھ میں کمی اور تخفیف واقع ہو ، مدد کی شکلوں میں سے ایک شکل یہ کہ حقیقت واقعہ کے بیان میں ایک بھول بھٹک جائے دوسری اس کو یاد دلا کر اس کی اصلاح کر دے اور قاضی اور جج دونوں کے مشترک بیان پر کچھ فیصلہ کرے ، اس شرعی قانون کی کچھ دوسری مصلحتیں بھی ہو سکتی ھیں جن میں بعض کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہاں اُس استدلال کا ذکر بھی ضروری سمجھتا ہوں جو بعض حضرات نے اس آیۃ سے یہ ثابت کرنے کے لئے اختیار کیا ہے کہ ہر معاملے میں عورت اور مرد کی شہادت ہر لحاظ سے مساوی اور برابر ہے۔ضروری نہیں کہ کسی معاملہ میں بھی ایک مرد کی شہادت کے بدلے دو عورتوں کی شہادت ہو بلکہ ایک عورت

کی شہادت بھی اسی طرح معتبر ہے جس طرح ایک مرد کی شہادت، ، ان حضرات نے اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کے لئے اس طرح استدلال کیا ہے کہ اس آیۃ میں ہے کہ اگر ایک اُن میں سے بھٹک اور بھول جائے تو دوسری اس کو یاد کرا دے ، اور فرض کیجیئے ایک اُن میں سے بیان شہادت میں نہیں بھولتی بھٹکتی کیونکہ عقلاً یہ ضروری نہیں اور دوسری کو یاد کرانے کی نوبت ھی نہیں آتی تو پھر ایک ھی عورت کی شہادت کافی ھو جاتی ہے دوسری کی ضرورت ھی نہیں رھتی ۔ گویا انتفاء شرط سے انتفاء مشروط ھو جاتا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو یہ استدلال بالکل غلط نظر آتا ہے کیونکہ دراصل اس کی بنیاد اس مفروضے پر قائم ہے کہ آیۃ مذکور: اَنْ تَضِلّ اِحْدَھما فَتُذَكِّرَ اِحْدَاھُمَا الاُخْرٰی جملہ شرطیہ ہے پہلا حصہ شرط اور دوسرا حصہ مشروط ہے، حالانکہ یہ مفروضہ سرے سے غلط ہے کیونکہ اس کے شروع میں ان حرف شرطیہ نہیں بلکہ اَنْ مصدریۂ ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کا ترجمہ : ,,اگر ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاد کرا دے،، ، درست نہیں بلکہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے: تاکہ یا مبادا ایک اُن میں سے کبھی بھول بھٹک جائے تو ایک کو دوسری یاد کرا دے ۔ چنانچہ جب یہ جملہ شرطیہ ہے ھی نہیں تو مذکورہ استدلال خود بخود باطل ھو جاتا ہے۔ مزید براں اس استدلال کے غلط ھونے کی دوسری وجہ یہ کہ اس میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ اگر دو گواہ عورتوں میں سے ایک نہیں بھولتی تو قاضی دوسری سے گواھی نہیں لے گا ، حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ قاضی پابند ہے کہ یکے بعد دیگر ھر ایک کی گواھی لے کیونکہ ان دونوں کی الگ گواھی مل کر ایک گواھی قرار پاتی ہے-دونوں کے بیانوں میں کچھ فرق نہیں ھوتا تو فبھا اور اگر ھوتا ہے تو قاضی دونوں کے بیانوں کا جو مشترک

اور متفق علیه حصه ہے اُسے مدار فیصله بنا سکتا ہے۔قاضی کو یه اختیار ھوتا ہے که وہ ایک کے بیان کی کمی کو دوسری کے بیان کی زیادتی سے پورا کر دے اور مجموعه بیان سے کسی نتیجه تک پہنچے۔

علاوہ ازیں اس آیت کا جو اسلوب بیان ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے که دو گواہ عورتوں میں سے ھر ایک ھر حالت میں بھولنے والی کا مصداق بھی ہے اور یاد کرانے والی کا مصداق بھی ، کیونکه اس آیت میں یه نہیں فرمایا گیا که فَتُذَكِّرَهَا الْأُخْرٰى بلکه فرمایا گیا ہے ، فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْأُخْرٰى ، چنانچه اِحْدٰىهُمَا کا تکرار اُن میں سے ھر ایک کو برابر کا درجه دیتا ہے۔یه اس لئے که ھو سکتا ہے که ھر ایک کے بیان میں کوئی کمی رہ جائے اور دوسری کے بیان سے اس کی تلافی کر دی جائے یعنی اُن میں سے ھر ایک کچھ بھول بھی سکتی ہے اور دوسری کو اُس کی بھول یاد بھی کرا سکتی ہے چنانچه اگر کہیں ایسا ھوتا ہے تو اس سے اُن کی شہادت میں کوئی نقص پیدا نہیں ھوتا بلکه وہ بالکل درست اور قابل قبول ھوتی ہے۔

غرضکه بعض اھل علم حضرات نے جو مرد وزن کے درمیان کامل مساوات کے داعی اور علمبردار ھیں اس آیت سے مذکورہ استدلال کے ذریعے جو مطلب اخذ کرنے کی کوشش فرمائی ہے وہ اس آیت سے کسی طور اخذ نہیں ھو سکتا اور اُن کا یه استدلال کئی وجوہ سے غلط ہے جیسا که اُوپر عرض کیا گیا۔

اس کے بعد قرآن مجید میں جن دوسرے امور و معاملات سے متعلق شہادت کا ذکر ہے اُن میں سے ایک وصیّت کا معامله ہے ، وصیت سے متعلق شہادت کا جس آیت میں ذکر ہے وہ سورہ المائدہ کی آیت نمبر ۱۰٦ ہے ارشاد رب العزت ہے :

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمُوتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَاعَدْلٍ مِّنْكُمْ اَو آخَرانِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرضِ فَاَصَابتكُم مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ الآية ترجمه : اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آ کھڑی ہو اور وہ وصیت کرنا چاہے تو وصیت کے وقت شہادت کے لئے تم میں سے دو عدل والے قابل اعتماد آدمی شاهد اور گواہ ہونے چاهئیں ، اگر ایسا ہو کہ تم سفر میں ہو اور موت کی مصیبت پیش آ جائے اور مسلمان گواہ نہ مل سکیں تو دو غیر مسلم گواہ مقرر ہو سکتے هیں ۔

اس آیت میں مسلمانوں کے لئے یہ حکم الٰہی ہے کہ موت کے وقت کوئی وصیت کرنی ہو تو گواهی کے لئے تم میں دو قابل اعتماد مسلمان مرد گواہ ہونے چاهئیں ، اور اگر تم سفر کی حالت میں ہو اور موت کی مصیبت پیش آ جائے اور وصیت پر گواہ بنانے کے لئے دو مسلمان مرد موجود نہ ہوں بلکہ غیر مسلم هی موجود ہوں تو ایسی صورت میں دو غیر مسلموں کو گواہ بنا سکتے ہو ۔

دو باتیں اس آیت سے صاف واضح ہوتی هیں : ایک یہ کہ معاملۂ وصیت سے متعلق شہادت کے لئے اولاً دو مسلمان مرد ہونے چاهئیں ، دوم یہ کہ اگر کہیں سفر کی حالت میں دو مسلمان مرد نہ مل سکیں تو دو غیرمسلم مردوں کو گواہ مقرر کیا جاسکتا ہے بہرحال آیت کے جو ظاهری الفاظ هیں وہ اسی پر دلالت کرتے هیں لیکن وہ اس میں عورتوں کے شمول کی نفی نہیں کرتے کیونکہ قرآن مجید کی دوسری بکثرت آیات جو ظاهری الفاظ کے لحاظ سے مومن مردوں سے متعلق هیں ان میں مومن عورتوں کو بھی بالاتفاق شامل مانا گیا ہے لہذا ہو سکتا ہے کہ اس آیت کے مخاطبین میں ضمناً . مومن خواتین بھی شامل ہوں اور وصیت کے معاملہ میں بھی اُن کا گواہ بننا درست و

قابل اعتبار ہو ، اگر اس آیت میں عورتوں کے گواہ بننے کی گنجائش نہ ہوتی تو فقہاء اسلام وصیت میں عورتوں کی شہادت کو معتبر نہ مانتے حالانکہ انہوں نے مانا ہے۔فقہاء احناف سوائے حدود و قصاص کے باقی تمام امور و معاملات میں عورت کی شہادت کو درست مانتے اور اس کو قابل اعتبار ٹھہراتے ہیں ۔

دوسرا معاملہ جس کے متعلق قرآن کریم میں شہادت کا ذکر ہے مطلقہ عورت کی عدت ختم ہونے کا معاملہ ہے جس کا سورۃ الطلاق کی آیت نمبر ۲ میں اس طرح ذکر ہے :

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْ هُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَو فَارِقُوْ هُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَاَشْهِدُوْا ذَوَىِ عَدْلٍ مِنْكُمْ ۃ اَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۃ پس جب وہ مطلقہ عورتیں جنکی طلاق رجعی تھی عدت کے قریب پہنچ جائیں تو پھر اُن کو معروف طریقہ سے اپنے پاس روک لو یا معروف طریقہ سے احسان کے ساتھ جدا اور الگ کر دو اور اپنے میں سے عدل والے دو گواہ مقرر کر دو اور اللہ کے لئے شہادت پر قائم رہو قرآن مجید کی اس آیت میں بھی طلاق سے متعلق جس شہادت کا حکم ہے اس شہادت کے لئے بھی دو مسلمان مردوں جو عدل والے یعنی سیرت و کردار کے لحاظ سے قابل اعتماد ہوں کا ہونا تجویز کیا گیا ہے۔رہا یہ کہ طلاق سے متعلق امور میں ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کو بھی گواہ بنایا جا سکتا ہے یا نہیں آیت مذکور کے الفاظ سے صراحت کیساتھ اس کا اظہار نہیں ہوتا لیکن علماء نے اس معاملہ کو آیت مدائنہ میں مذکور مالی معاملے پر قیاس کرتے ہوئے جائز بتلایا ہے یعنی یہ کہ اس قسم کے معاملات سے متعلق ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت درست اور قابل اعتبار ہے ان علماء سے میری مراد فقہائے احناف ہیں ؛ فقہ حنفی کی کتابوں میں لکھا ہے کہ سوائے حدود اور

قصاص کے باقی سب امور و معاملات میں ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی شہادت جائز اور قابل قبول ہے جیسے نکاح ، طلاق عدت، حواله ، وقف ، صلح ، وکالة ، وصية ، هبه ، اقرار ، ابراء ، ولادت اور نسب وغیرہ جن میں مالی یا غیر مالی حق کا تصور موجود ہوتا ہے۔ مالکی شافعی اور حنبلی فقہاء کے ہاں اس بارے میں اختلاف ہے ، بہرحال اس بارے میں حنفی فقہاء کے ہاں جو توسع ہے وہ دوسروں کے ہاں نہیں ۔ سب سے زیادہ تنگی فقہ جعفریہ میں ہے۔

تیسرا معاملہ جس کے متعلق قرآن حکیم میں شہادت کا ذکر ہے زنا اور تہمت زنا کا معاملہ ہے اس کا ذکر سورۂ النساء کی آیت نمبر ۱۵ اور سورۃ النور کی آیت نمبر ۴ اور نمبر ۱۳ میں اس طرح ہے:

وَالّٰتِی یَأتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآءِکُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنکُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِکُوْهُنَّ فِی الْبُیُوت حَتّٰی یَتَوفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْیَجْعَلَ اللّٰه لَهُنَّ سَبِیْلاً ترجمہ : اور تمہاری عورتوں میں سے جو فاحشہ یعنی زنا کی مرتکب ہوں تو چاهئیے کہ تم میں سے چار آدمیوں کی اس پر شہادت ہو ، اگر چار گواہ شہادت دیں تو پھر ان عورتوں کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ موت اُن کی عمر پوری کر دے یا اللہ اُن کے لئے کوئی دوسری راہ تجویز فرما دے ۔

سورۂ النور میں ارشاد ربّ العزت ہے :

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحصَنَاتِ ثُمّ لَمْ یَأتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآ فَاجلِدُوْهُم ثَمَانِیْنَ جَلْدَةً الآیة : ترجمہ : اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ لا سکیں تو اُن کو بطور سزا اَسی کوڑے لگاؤ ۔ آگے آیت نمبر ۱۳ میں فرمایا :

لَوْلاَجَاءُوْا عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءه فَاِذْ لَمْ یَأْتُوا بِالشُّهَدَآءِ فَاولٰئِکَ عِنْدَاللّٰهِ هُمُ الْکَاذِبُوْنَ . ترجمہ : وہ زنا کی تہمت لگانے والے کیوں چار گواہ نہ

لائے ؛ پس جب وہ چار گواہ نہ لائے تو وہ یعنی یہ لوگ اللہ کے نزدیک کاذب و جھوٹے ھیں ۔

مذکورہ تینوں آیات کے اندر زنا اور تہمت زنا کے متعلق جس شہادت و گواھی کا بیان ہے نحوی قواعد کی رو سے اُس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ زنا کے ثبوت کے لئے چار مرد گواھوں کی شہادت ضروری ہے۔ بلاشبہ اَرْبَعَةَ شُهَدَآء کی ترکیب چار مرد گواھوں پر دلالت کرتی ہے اسی طرح پہلی آیت میں مِنْكُمْ کا لفظ چار گواھوں کے مسلمان ھونے پر بھی دلالت کرتا ہے ، لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا لفظ شهَدآء مذکر کا صیغہ ھونے کے باوجود مردوں کے لئے مخصوص نہیں عورتیں بھی اس میں داخل ھیں۔آیت مدائنہ میں اس کی صاف تصریح ہے ، اُس آیت میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانے کے حکم کے بعد یہ فرمانا کہ مِمَنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشّهَدَآءِ اس کا قطعی ثبوت فراھم کرتا ہے کہ گواہ عورتیں بھی شُهَدَآءِ میں شامل ھیں لہذا مذکورہ آیات کے الفاظ اربعة شهداء سے یہ استدلال کرنا اور نتیجہ نکالنا کہ زنا کے معاملہ میں عورتوں کی شہادت کسی طور درست اور قابل اعتبار نہیں ، نہایت کمزور استدلال واستنتاج ہے ، ھاں اس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی صحیح مرفوع حدیث قولی یا فعلی موجود ھوتی جس سے یہ صاف ظاھر ھوتا کہ عورت کی شہادت زنا اور دیگر حدود میں کسی صورت جائز و درست نہیں تو پھر ان آیات سے استدلال مذکور ضرور قابل قبول ھوتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ احادیث کے پورے دفتر میں کوئی ایسی حدیث نہیں ملتی جو صحیح اور مرفوع ھونے کے ساتھ ساتھ صاف الفاظ میں یہ بتلاتی ھو کہ زنا اور دیگر وہ جرائم جو موجب حد ھیں میں عورت کی شہادت کسی صورت جائز نہیں نہ تنہا اور نہ مردوں کے ساتھ ،

اسی طرح کوئی ایسی صحیح مرفوع حدیث نہیں ملتی جس سے صاف اور قطعی طور پر یہ معلوم ہوتا کہ عورت کی شہادت ہر معاملے میں خواہ وہ حدود و قصاص سے تعلق رکھتا ہو جائز اور معتبر ہے -

زنا سے متعلق عورت کی شہادت کے جواز میں اُس مرفوع حدیث کا پیش کرنا مفید و کار آمد نہیں جو حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی اور سنن ابی داؤد ، سنن نسائی اور مسند احمد وغیرہ میں پائی جاتی ہے اور جس کا مضمون کچھ اس طرح ہے : ایک خاتون صبح اندھیرے میں نماز کے لئے مسجد کی طرف جا رہی تھیں کہ گلی میں ایک شخص نے اُن کو پکڑ کر زبردستی اُن سے زنا کیا وہ چیختی چلاتی رہیں زانی زنا کرنے کے بعد بھاگ گیا اتنے میں ایک دوسرا آدمی سامنے آیا اور عورت نے فریاد کی تو وہ اس زانی کے پیچھے اس کو پکڑنے کے لئے بھاگا ، اسی دوران کچھ اور لوگ آئے اور عورت کی فریاد سن کر وہ بھی زانی کی تلاش میں بھاگے اُن سے پہلے جو شخص بھاگ رہا تھا زانی کو پکڑنے کے لئے ، لوگوں نے اس کو زانی سمجھ کر پکڑ لیا اُس نے بہت کہا کہ میں زانی نہیں بلکہ میں بھی زانی کو پکڑنے کے لئے دوڑ رہا تھا لیکن لوگ نہ مانے اور اس کو پکڑ کر عورت کے پاس لے آئے عورت نے بدحواسی میں کہا کہ ھاں یہی وہ شخص ہے جس نے زنا کیا ، لوگ دونوں کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی زبانی ماجرا سن کر حکم دیا کہ اس شخص کو لیجا کر رجم کرو-اس اثناء میں اصل زانی کو جب پتہ چلا جو اپنے کئے پر سخت نادم و شرمندہ اور سچے دل سے توبہ کر چکا تھا تو وہ فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

حاضر ہوا اور اقرار کیا کہ جرم میں نے کیا ہے لہذا سزا مجھے دی جائے دوسرا شخص بےگناہ ہے اس کو سزا نہ دی جائے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر اس مجرم کو بھی سزا نہ دی کہ یہ سچے دل سے توبہ کر چکا اس کی توبہ قبول ہو گئی اور یقیناً اس کا گناہ معاف ہو گیا ہے اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ چونکہ اس میں زنا سے متعلق ایک عورت کے بیان پر رسول اللہ صلعم نے رجم کرنے کا حکم دیا ہے لہذا اس سے یہ ثابت ہوا کہ زنا میں عورت کی شہادت جائز اور معتبر ہے۔

اِس استدلال کے نادرست ہونے کی جو وجوہ ہیں اُن میں سے ایک یہ کہ اس حدیث میں جس عورت کے بیان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملزم کو مجرم قرار دیا اور اس کے لئے زنا کی سزا تجویز فرمائی وہ عورت مستغیثہ اور مدعیّہ ہے گواہ اور شاہد نہیں اس کا بیان استغاثہ ہے شہادت نہیں ، دوسری وجہ یہ کہ ہو سکتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فیصلہ فرمایا وہ اُن متعدد اشخاص کی تصدیق کی بنا پر ہو جو اُس ملزم کو پکڑ کر اس عورت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تھے ، تیسری وجہ یہ کہ ممکن ہے یہ واقعہ قرآن مجید کی اُن آیات کے نزول سے پہلے کا ہو جن میں زنا کی شہادت کا ذکر ہے ، اسی طرح یہ واقعہ اُن آیات کے اترنے سے پہلے کا ہو جن میں واضح اور قطعی طور پر زانیہ اور زانی کو سو کوڑے لگانے کی حد اور سزا بیان ہوئی ہے اور جو توبہ سے معاف نہیں ہو سکتی ، غرضیکہ ان مذکورہ احتمالات کی موجودگی میں حدیث مذکور سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ زنا کے معاملہ میں ایک عورت کی شہادت بھی درست اور قابل اعتماد ہے۔

اسی طرح قتل سے متعلق عورت کی شہادت کے جواز میں صحیح البخاری وغیرہ کی وہ مرفوع حدیث پیش کرنا بھی مفید نہیں جس کے راوی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ھیں اور جس کا ترجمہ اس طرح ہے: ایک لڑکی نکلی جو چند زیورات وغیرہ پہنے ہوئے تھی اُس لڑکی کو ایک یہودی نے پتھر سے کچل کر مار دیا اور اُس کے زیورات اتار لئے، ابھی اس شدید زخمی لڑکی میں کچھ جان تھی کہ لوگ اس کو اُٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے اور یہ بھی کہا کہ شائد اس کو فلاں یہودی نے مارا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی سے پوچھا تجھے فلاں آدمی نے قتل کیا ہے اُس نے سَــر کے اشارے سے انکار کیا، پھر آپ نے پوچھا تجھے فلاں آدمی نے زخمی کیا ہے لڑکی نے پھر سر کی جنبش سے انکار کیا، پھر تیسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تجھے فلاں آدمی نے مارا ہے اس تیسری مرتبہ لڑکی نے اپنا سر اٹھایا اور ھلا کر اشارہ کیا کہ ھاں یعنی اثبات میں جواب دیا، چنانچہ اس قاتل یہودی کو پکڑ کر لایا گیا اور اس کو اسی طرح قتل کر دیا گیا جس طرح اس نے لڑکی کو قتل کیا تھا۔ اس حدیث سے یہ استدلال کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کے معاملہ میں اس لڑکی کی شہادت پر قصاص کا فیصلہ کیا لہذا اس سے یہ ثابت ہوا کہ قصاص کے معاملہ میں عورت کی شہادت جائز اور معتبر ہے۔ یہ استدلال اس لئے درست اور مفید مطلب نہیں کہ اس حدیث میں جس مقتولہ لڑکی اور اس کے بیان کا ذکر ہے وہ مستغیثہ ہے گواہ اور شاھدہ نہیں لہذا اس کا بیان شہادت کی تعریف میں نہیں آتا، دوسری وجہ اس استدلال کے درست نہ ہونےکی یہ ہے کہ یہاں یہ قوی احتمال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کا یہ فیصلہ اُن کثیر

التعداد اشخاص کے بیان پر دیا ہو جو اس زخمی لڑکی کو اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور کہا کہ اس کو فلاں یہودی نے مارا ہے چنانچہ انہی کے کہنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس قریب المرگ زخمی لڑکی سے تین بار اُس یہودی کا نام لے کر پوچھا کہ کیا اُس نے تجھے مارا ہے؟ چونکہ شدید زخموں کیوجہ سے اس کے ہوش و حواس مختل ہو گئے اور بگڑ چکے تھے لہذا اُس نے سر کے اشارے سے دو مرتبہ نفی میں اور تیسری مرتبہ اثبات میں جواب دیا ۔ بہرحال ایسی حالت میں جب ہوش و حواس درست نہ ہوں اسلام کے نزدیک زبانی بیان کا بھی اعتبار نہیں چہ جائیکہ سر کے اشارے کا ، پھر جبکہ دو مرتبہ اشارہ نفی میں اور ایک مرتبہ اثبات میں ہوا ہو لہذا قرین عقل بات یہ ہے کہ اس مقدمے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قصاص کا فیصلہ فرمایا قطعی قرائن و شواهد کی بنا پر فرمایا نہ یہ کہ اُس قریب المرگ لڑکی کے تین میں سے ایک اشارے کی بنا پر فرمایا ، اس میں اُن کثیر التعداد لوگوں کے بیان کا بڑا دخل تھا جن کو تقریباً یہ یقین تھا کہ فلاں یہودی اس قتل کا مرتکب ہے جس نے زیور کی خاطر معصوم لڑکی کی جان لی اور سنگدلی بے رحمی کے ساتھ قتل کر دیا ۔ بنابریں اس حدیث سے ہر گز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قتل و قصاص کے معاملہ میں عورت کی شہادت درست اور قابل اعتبار ہے ۔

پھر جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ جس طرح زنا اور قتل کے معاملہ میں عورت کی شہادت کے جواز سے متعلق کوئی مرفوع صحیح حدیث کتب حدیث میں نہیں ملتی اسی طرح عدم جواز سے متعلق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی صحیح مرفوع حدیث نہیں ملتی ، البتہ حدیث کی کتابوں میں صحابۂ کرام اور

تابعین عظام کے ایسے اقوال و آثار ضرور ملتے ہیں جن کے درمیان شدید اختلاف بلکہ کھلا ہوا تضاد پایا جاتا ہے بعض سے اس کا جواز ظاہر ہوتا ہے اور بعض سے عدم جواز ، سوائے ایک معاملہ کے جس کا قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ بیان ہے یعنی ادھار لین دین کا معاملہ کہ جب اس میں شہادت کے لئے دو مرد نہ مل سکیں تو پھر ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنایا جائے ، اس میں تو سب کا اتفاق ہے کہ عورتوں کی شہادت درست اور قابل اعتبار ہے ، نیز ایسے امور میں جو خاص طور پر عورتوں سے تعلق رکھتے اور مردوں کے علم کی اُن تک رسائی نہیں ہوتی جیسے ولادت ، رضاعت اور بکارت وغیرہ سب نے عورت کی شہادت کو جائز مانا اور اس کا اعتبار کیا ہے ان کے علاوہ باقی ہر معاملے اور ہر امر کے متعلق نمایاں اختلاف پایا جاتا ہے بلکہ ایسا بھی ہے کہ ایک ہی شخص کے متعلق دو مختلف روایات دو متضاد اقوال منسوب ہیں ، حدیث کی کتابوں جیسے مصنّف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبۃ میں اس قسم کے آثار و اقوال خاصی تعداد میں مذکور ہیں بعد میں علامہ ابن حزم ظاہری نے اپنی مشہور کتاب المحلّی کی جلد نو میں زیر عنوان کتاب الشہادات میں مختلف کتب حدیث سے ایسے آثار و اقوال بڑی حد تک یکجا جمع کر دیئے ہیں جو عورت کی شہادت و گواہی سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کو پڑھ کر انسان حیران و سرگرداں ہو کر رہ جاتا ہے اور کچھ سمجھ نہیں پاتا کہ اصل حقیقت حال کیا ہے ۔

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ذیل میں صحابۂ کرام اور تابعینؒ وتبعؒ تابعین کے اُن آثار و اقوال پر اختصار کیساتھ روشنی ڈالوں جو شہادۃ عورت سے متعلق مذکورہ بالا کتابوں میں پائے جاتے ہیں ، پہلے وہ آثار و اقوال ملاحظہ فرمائیے جو بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب ہیں :

کتب مذکورہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے چھ روایات ہیں : ایک کے راوی حضرت سعید بن المسیب ہیں اور اس کے الفاظ ہیں : ,,قال عمر رضی اللہ عنہ لاتجوز شہادة النساء فی الطلاق ولا فی النکاح ولا فی الدماء " ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا عورتوں کی شہادت جائز نہیں نہ طلاق میں ، نہ نکاح میں اور نہ قتل میں ۔

دوسری روایت کے راوی حضرت ابو لبید ہیں اور اُس کے الفاظ ہیں : ,,إنّ سکراناً طَلّق امرأته ثلاثا فشهد علیه اربع نسوة فرفع الی عمر بن الخطاب فاجاز شهادة النسوة و فرق بینهما " ۔ ترجمہ ایک شخص جو نشے کی حالت میں تھا اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور چار عورتوں نے اس کی شہادت دی ، یہ مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا آپ نے ان عورتوں کی شہادت کو جائز قرار دے کر دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا ۔

تیسری روایت کےراوی حضرت عطاء بن ابی رباح ہیں اور اس کے الفاظ ہیں : ,,قال اجاز عمر بن الخطاب شهادة النسآء مع الرجال فی الطلاق و النکاح " ۔ ترجمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طلاق اور نکاح میں عورتوں کی شہادت کو مردوں کے ساتھ جائز قرار دیا ۔

چوتھی روایت کے راوی بھی حضرت عطاء ہیں اور اُس کے الفاظ اس طرح ہیں : ,,انّ عمر بن الخطاب اجاز شهادة رجل واحد مع النسآء فی النکاح " ۔ ترجمہ : حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نکاح میں ایک مرد کی شہادت کو عورتوں کے ساتھ جائز ٹھہرایا ۔

پانچویں روایت کے راوی ابن شہاب الزہری اور اس کے الفاظ ہیں : ,,ان عمر بن الخطاب اجاز شهادة المرأه فی الاستهلال " ۔ ترجمہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کی شہادت کو

استہلال میں جائز قرار دیا ـ استہلال کے معنے ہیں پیدائش کے وقت بچے کے رونے کی آواز ـ

چھٹی روایت کے راوی حضرت زید بن اسلم ہیں اور اُس کے الفاظ ہیں : ,,ان عمر بن الخطاب لم یأخذ بشهادة امرأة فی الرضاع "

ترجمه : حضرت عمر رضی الله عنه نے رضاع یعنی دودھ پلانے کے معامله میں ایک عورت کی شہادت نہیں لی یعنی قبول نہیں کی ـ

تبصره : پہلی روایت سے ظاہر ہوتا ہے که عورتوں کی شہادت طلاق اور نکاح میں بالکل جائز نہیں جبکه دوسری روایت سے ثابت ہوتا ہے که صرف چار عورتوں کی شہادت طلاق میں جائز ، تیسری روایت سے واضح ہوتا ہے که مردوں کے ساتھ عورتوں کی شہادت طلاق اور نکاح دونوں میں جائز اور چوتھی روایت سے ثابت ہوتا ہے که نکاح میں ایک مرد کے ساتھ عورتوں کی شہادت جائز ہے ، پانچویں روایت سے استہلال کے لئے ایک عورت کی شہادت کا جواز ثابت ہوتا ہے اور چھٹی روایت یه بتلاتی ہے که رضاعت کے معامله میں ایک عورت کی شہادت کا اعتبار نہیں . عورت کی شہادت سے متعلق حضرت عثمان غنی رضی الله عنه کا ایک اثر جس کے راوی ابن شہاب زہری ہیں اس طرح ہے : ,,جاءت امرأة سوداء فی امارة عثمان رضی الله عنه الی اهل ثلاثة ابیات قد تناکحوا فقالت انتم بنیّ وبناتی ففرق بینهم "

ترجمه حضرت عثمان رضی الله عنه کے عہد خلافت میں ایک سیاه فام عورت (دیہات سے شہر میں آئی) اور تین ایسے گھروں میں پہنچی جہاں تین جوڑوں کے حال ہی میں نکاح ہوئے تھے اس نے ان سے کہا که تم میرے رضاعی بیٹے اوز بیٹیاں ہو ، حضرت عثمان رضی الله کے سامنے مسئله پیش ہوا تو انہوں نے اس ایک عورت کی شہادت کی بنا پر اُن جوڑوں میں تفریق کرا دی یعنی انکا تعلق ازدواج ختم کر دیا ـ

اس بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی چار روایات ہیں : ایک کے راوی حضرت حکم بن عیینہ ہیں اور اس کے الفاظ یہ ہیں : ,,اَنّ علی بن ابی طالب قال لاتجوز شهادة النساء فی الطلاق والنكاح والحدود والدمآء " ۔ ترجمہ : حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا عورتوں کی شہادت طلاق ، نکاح ، حدود اور قصاص میں جائز نہیں ہے ۔

ایک دوسری روایت ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں : ,,عن علی بن ابی طالب لاتجوز شهادة النسآء بحتا فی درهم حتی یکون معهن رجل " ۔ ترجمہ حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا صرف عورتوں کی شہادت ایک درہم میں بھی معتبر نہیں تاآنکہ اُن کے ساتھ کوئی مرد ہے ۔

تیسری روایت جس کی راویہ ہند بنت طلق اور جس کے الفاظ یوں ہیں : ,,قالت کنت فی نسوة وصبی مسجی فقامت المرأة فمرت فَوَطِئَتْ فقالت ام الصبی قتلتِهِ واللہ فشهد عند علی رضی اللہ عنه عشر نسوةٍ اَنَا عاشرهن فقضی علیؓ علیها بالدية واعانها بالفین " ۔ ترجمہ : ہند بنت طلق نے کہا میں عورتوں کی ایک جماعت میں بیٹھی تھی وہاں ایک چھوٹا سا بچہ کپڑے میں لپٹا ہوا پڑا تھا ، کسی ضرورت سے ایک عورت اٹھی اور چلتے ہوئے اُس کا پاؤں لپٹے ہوئے بچے پر پڑا اور وہ کچلا گیا ، بچے کی ماں چیخ اٹھی اور اس عورت سے کہا واللہ تو نے بچے کو قتل کر دیا پھر یہ مقدمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا اور دس عورتوں نے شہادت دی۔ میں اُن میں سے دسویں تھی۔عورتوں کی شہادت پر حضرت علیؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ قتل کرنے والی عورت مقتول بچے کی ماں کو دیّت ادا کرے اور دوہزار سے اس کی اعانت بھی فرمائی ۔

چوتھی روایت جس کے راوی سفیان الثوری ھیں اور جس کے الفاظ اس طرح ھیں : ,,ان علیًا رضی اللہ عنه اجاز شهادة المرأة القابلة وحدها فی الاستهلال ،، ۔ ترجمه : حضرت علی رضی اللہ عنه نے استهلال کے معامله میں ایک دایۂ عورت کی شهادت کو جائز قرار دیا ۔

تبصره : پہلی روایت سے صاف عیاں ھوتا ہے که حضرت علی رضی اللہ عنه کے نزدیک طلاق ، نکاح ، حدود اور قصاص میں عورتوں کی شهادت جائز نہیں جبکه دوسری روایت میں یه تفصیل ہے که تنہا عورتوں کی شهادت کسی مالی معاملے میں جائز نہیں البته جب اُن کے ساتھ مرد بھی شریک شهادت ھوں تو پھر اُن کی شهادت جائز اور قابل اعتبار ہے تیسری روایت صاف بتلاتی ہے که حضرت علی رضی اللہ عنه نے قصاص و قتل کے ایک معامله میں صرف دس عورتوں کی شهادت کو جائز مانا اور اس کی بنا پر دیت ادا کرنے کا حکم دیا ۔ ظاھر ہے که یه تیسری روایت پہلی اور دوسری روایت سے مطابقت نہیں رکھتی بلکه صراحةً اُن کے خلاف ہے۔جس بات کا پہلی دو روایتوں سے عدم جواز معلوم ھوتا ہےتیسری روایت سے اُس کا جواز ثابت ھوتا ہے۔ چوتھی روایت سے ظاھر ھوتا ہے که حضرت علی رضی اللہ عنه کے نزدیک استهلال سے متعلق صرف ایک عورت کی شهادت جائز اور قابل قبول ہے جو ولادت بچه کے وقت دائی کی خدمت انجام دیتی ہے۔چونکه یه خدمت عورتیں انجام دیتی ھیں مرد انجام نہیں دیتے لہذا عورتوں ھی کو اس کا علم ھوتا ہے که بچه زنده پیدا ھوا تھا یا مرده ، وقت پیدائش رویا تھا یا نہیں رویا تھا۔چنانچه انہی کی شهادت کا اس بارے میں اعتبار کیا گیا ہے بلکه متعدد روایات کے بموجب ایک عورت کی شهادت کو بھی کافی سمجھا گیا ہے۔

اس بارے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایات میں سے ایک کے الفاظ اس طرح ہیں : ,,قال ابن عمر لاتجوز شہادۃ النساء وحدھن اِلاّ علی مالا یطلع علیہ غیر ھن من عورات النساء وحملھن وحیضھن ،، ۔ ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا : تنہا عورتوں کی شہادت جائز نہیں سوائے اُن امور کے جن پر عورتیں ہی مطلع ہوتی ہیں جیسے عورتوں کے پوشیدہ احوال حمل اور حیض سے متعلق ۔

مصنف عبدالرزاق میں مذکور ایک اور روایت کے الفاظ یوں ہیں؛

عن ابن عمر سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما الذی یجوز فی الرضاع من الشھود قال رجل وامرأۃ ۔ ترجمہ : روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ رضاع کے معاملے میں کتنے گواہ ہونے چاہئیں تو آپ نے فرمایا ایک مرد اور ایک عورت ۔

علامہ ابن حزم نے المحلّی میں عبداللہ بن عمر کو اُن حضرات میں شمار کیا ہے جو رضاع وغیرہ کے معاملے میں ایک عورت کی شہادۃ کو معتبر سمجھتے تھے ۔

عورت کی شہادت سے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں : قال عبداللہ بن عباس شہادۃ المرأۃ الواحدۃ جائزۃ فی الرضاع اذا کانت مرضیۃ وتستحلف مع شہادتھا ۔ ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا رضاع کے مسئلہ میں ایک عورت کی شہادت جائز ہے جب وہ پسندیدہ ہو اور شہادت کے ساتھ اُس سے حلف بھی لیا جائے ۔

حضرت عقبہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کی روایت جو رضاع کی شہادت سے متعلق ہے صحیح البخاری وغیرہ میں اس طرح ہے : ,,قال

عقبة بن الحارث تزوجت امرأة على عهدالنبی صلى الله عليه وسلم فجاءت امرأة سوداء فزعمت انها اَرْضَعَتْهمُا ، فاتيت النبی صلى الله عليه وسلم فذكرت ذلک له ، فقلت انها كا ذبة ، قال فكيف تصنع بقول هذه دعها عنک » ۔ ترجمه : عقبه بن حارث نے کہا که میں نے عہد نبوت میں ایک عورت سے نکاح کیا ، کچھ وقت کے بعد ہمارے ہاں ایک کالی عورت آئی اور اس نے مجھے اور میری بیوی کو مخاطب کر کے کہا که میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے اور تم رضاعی بہن بھائی ہو ، یه سن کر میں نبی صلی اللہ علیه وسلم کی حاضر خدمت ہوا اور عورت کا کہا ہوا عرض کیا اور یه بھی کہا که وه جھوٹی ہے آپ نے فرمایا که تم اس کی اس بات کا کیا کرو گے بہتر یہی ہے که خود سے اپنی بیوی کو الگ کر دو ۔ دوسری روایت کے آخری الفاظ ہیں ,,وكيف بک و قد قيل » ۔ اور کیسے تیرے ساتھ ره سکتی ہے جب که وه بات کہی گئی ہے ۔

اس حدیث سے واضح اور ثابت ہوتا ہے که رضاعت کے معاملے میں ایک عورت کی شہادت جائز اور معتبر ہے غالباً اسی حدیث کے پیش نظر بہت سے صحابۂ کرام اور تابعین عظام کا یہی موقف و مسلک ہے ۔

شہادت عورت سے متعلق حضرت معاویه رضی اللہ عنه کے حوالے سے ایک روایت المحلّی ابن حزم میں اس طرح ہےاوصح عن معاوية رضی الله عنه انه قضى فی دار بشهادة ام سلمة رضی الله عنها ام المؤمنين ولم يشهد بذالک غيرها . اور یه صحیح روایت ہے که حضرت معاوية رضی الله عنه نے ایک مکان کے تنازع میں صرف ام المومنین حضرت ام سلمه رضی الله عنهما کی شہادت پر فیصله دیا ، پوری مفصل روایت مصنف عبدالرزاق میں مذکور ہے ۔ اس کا مطلب یه ہوا

که مالی معاملات میں بھی قاضی ایک خاتون کی شہادت پر فیصلہ کر سکتا ہے جبکہ وہ خاتون اپنے اعلیٰ اوصاف کیوجہ سے غیر معمولی حیثیت رکھتی اور قرائن اس کی صداقت پر دلالت کرتے ہوں گویا اس کو عام قانون سے مستثنیٰ قرار دیا جا سکتا ہے جیسا کہ حضرت ابو خزیمہ انصاری کو اُن کی خصوصیت کی بنا پر مستثنیٰ قرار دیا گیا جس کا صحیح احادیث میں واضح ذکر ہے ، اسی طرح مصنف عبدالرزاق میں روایت نمبر ۱۵۴۴۱ میں یہ بیان ہے کہ مدینہ کے گورنر مروان کے سامنے ایک مرتبہ جائیداد کے متعلق ایک مقدمہ پیش ہوا اور اس نے صرف ایک گواہ حضرت عبداللہ بن عمر کی شہادت پر فیصلہ دے دیا کیونکہ ان کی شخصیت بھی صلاح و تقوی کے لحاظ سے ممتاز شخصیت تھی ۔

عورت کی شہادت سے متعلق جن تابعین اور تبع تابعین کے آثار و اقوال مذکورہ بالا کتابوں میں ملتے ھیں اُن کے نام یہ ھیں : سعید بن المسیّب ، عطاء بن ابی رباح، عامر الشعبی ، ابراھیم النخعی ، قتادہ ، مکحول الشامی ، عمر بن عبدالعزیز ، حسن البصری ، ابن شہاب الزہری ، قاضی شریح ، طاؤوس بن کیسان ، ربیعہ ، محمد بن الحنفیہ، ، محمد بن سیرین ، ایاس بن معاویہ ، جابر بن زید ، حماد بن ابی سلیمان ، عبدالرحمن ، امام ابو حنیفہ،امام مالک ، امام الشافعی ، سفیان الثوری ، ابن ابی لیلی ، لیث بن سعد ، ابو عبید ، امام محمد الشیبانی ، قاضی ابو یوسف ، امام زفر ، ابو سلیمان ، شعبہ ،

میں چاھتا ھوں کہ پہلے ان حضرات کے وہ اقوال پیش کروں جو شہادت عورت سے متعلق مختلف روایات میں بیان ہوئے ھیں قطع نظر اس سے کہ اُن روایات کی استنادی حیثیت کیا ہے بعد میں ان پر ایک جامع تبصرہ عرض کر دیا جائے ۔

حضرت سعید بن المسیّب

حضرت سعید بن المسیّب کے متعلق جو دو روایات ھیں ان میں سے ایک کا ترجمہ ہے : حضرت سعید بن المسیّب نے کہا کہ عورتوں کی گواھی مقبول نہیں ہے سوائے اُن امور کے جن سے آگاھی عورتوں ھی کو ھوتی ہے مردوں کو نہیں ھوتی ۔ اور دوسری روایت کا ترجمہ ہے : عورتوں کی شہادت جائز نہیں نہ قتل میں نہ حد میں نہ طلاق میں اور نہ نکاح میں مطلب یہ ھوا کہ حضرت سعید بن مسیّب کے نزدیک صرف اُن امور و معاملات میں جائز اور معتبر ہے جو عورتوں ھی سے تعلق رکھتے اور وھی اُن سے آگاہ ھوا کرتی ھیں اور جن امور و معاملات کا علم عام طور پر مردوں کو ھوتا ہے جیسے قتل ، زنا نکاح اور طلاق وغیرہ اُن کے بارے میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں ۔

حضرت عطاء بن ابی رباح

حضرت عطاء بن ابی رباح کے حوالے سے جو چار روایات ھیں اُن میں سے ایک کا ترجمہ یوں ہے : ,,حضرت عطاء نے نکاح کے معاملہ میں عورتوں کی شہادت کو جائز قرار دیا ،، ، دوسری کا ترجمہ ہے : ,,عطاء نے کہا مردوں کے ساتھ عورتوں کی شہادت ھر چیز میں جائز ہے اور زنا کے معاملہ میں بھی دو عورتوں اور تین مردوں کی شہادت جائز اور قابل اعتبار ہے ،، ۔ تیسری روایت کا ترجمہ ہے : ،، عطاء نے کہا کہ اگر میرے پاس آٹھ عورتیں شادی شدہ عورت کے متعلق زنا کی شہادت دیں تو میں اُس کو ضرور رجم کی سزا دوں گا ،، ۔ اور چوتھی روایت کا ترجمہ ہے : عطاء نے کہا عورتوں کی شہادت ان تمام امور میں جائز ہے جن پر عورتوں ھی کی نظر پڑتی ہے اور یہ کہ چار سے کم عورتوں کی شہادت جائز نہیں ۔

مذکورہ اقوال و آثار سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عطاء بن ابی رباح کے نزدیک مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواھی ہر معاملے اور ہر مقدمہ میں جائز ہے خواہ وہ نکاح و طلاق کا معاملہ ہو یا حدود و قصاص کا معاملہ ، اور یہ کہ عورتوں سے مخصوص جن امور و معاملات میں تنہا عورتوں کی شہادت معتبر ہے اُس میں ضروری ہے کہ ایک ساتھ چار عورتیں گواہ ہوں یعنی ایک عورت کی شہادت معتبر نہیں جیسا کہ دوسری بہت سی روایات سے ثابت ہوتا اور متعدد صحابہ اور تابعینؒ کا مسلک ہے ، اس کا کچھ بیان پیچھے ہو چکا ہے۔

حضرت عامرؒ بن شرحبیل الشبعی

شهادة النسآء سے متعلق جن روایات میں حضرت عامرؒ الشعبی کے اقوال بیان ہوئے ہیں اُن میں سے ایک کا ترجمہ یہ کہ ,,حضرت شعبیؒ نے فرمایا اُن امور میں ایک عورت کی شہادت جائز و معتبر ہے جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے صرف عورتیں مطلع ہوتی ہیں "۔ دوسری روایت کا ترجمہ ہے : ,,حضرت شعبی نے کہا نکاح اور طلاق میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی شہادت جائز ہے "۔ تیسری روایت کا ترجمہ ہے : ,,حدود میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں "۔ چوتھی کا ترجمہ ہے : ,,اُن امور میں جن کو مرد نہیں دیکھتے صرف عورتیں دیکھتی ہیں چار عورتوں کی شہادت جائز ہے "۔ اور پانچویں روایت کا ترجمہ ہے : شعبیؒ نے کہا طلاق اور جراح الخطاء میں ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی شہادت جائز ہے لیکن جراح عمد اور حد میں عورت کی شہادت جائز نہیں ۔ جان بوجھ کر قصد و ارادے سے دوسرے کو زخمی کرنا جراح عمد اور بھولے سے خطاء کے طور پر دوسرے کو زخمی کرنا جراح الخطاء کہلاتا ہے۔

امام الشعبی کی طرف منسوب جو پانچ روایات ذکر کی گئی ھیں ان میں سے پہلی اور چوتھی روایت ایک دوسرے کی ضد ھیں کیونکہ پہلی روایت یہ بتلاتی ہے کہ شعبی کے نزدیک عورتوں کے مخصوص امور و مسائل میں صرف ایک عورت کی شہادت جائز ہے جبکہ چوتھی روایت سے یہ ظاہر ھوتا ہے کہ ایسے امور و معاملات میں چار عورتوں کی شہادۃ ضروری ہے ایک کی کافی نہیں ، دوسری ، تیسری اور پانچویں روایات سے واضح ھوتا ہے کہ شعبیؒ کے نزدیک حدود میں عورت کی شہادت کسی صورت جائز نہیں اور نکاح ، طلاق اور جراح خطاء میں مردوں کے ساتھ تو اس کی شہادت جائز ہے لیکن تنہا جائز نہیں ۔

حضرت ابراهیمؒ النخعی

حضرت ابراھیم النخعی کے اقوال عورتوں کی شہادت کے بارے میں جن مختلف روایات میں بیان ھوئے ھیں اُن میں سے ایک کا ترجمہ یہ ہے : ,,ابراھیم نخعی نے کہا کہ طلاق و نکاح میں مردوں کے ساتھ بھی عورتوں کی شہادت جائز نہیں ۔ ،، دوسری روایت کا ترجمہ ہے ,,ابراھیم نخعی نے کہا کہ اگر طلاق کے معاملہ میں میرے پاس کوئی صحابی اور دو عورتیں شہادت دیں تو میں اس کو بھی جائز نہیں قرار دوں گا ،، ۔ تیسری روایت کا ترجمہ ہے : ,,ابراھیم النخعی نے کہا مردوں کے ساتھ عورتوں کی شہادت جائز نہیں سوائے عتاق ، دین اور وصیت کے معاملات میں ،، ، (عتاق کے معنے غلام کو آزاد کرنے کے ھیں) چوتھی روایت کا ترجمہ ہے : ,,ابراھیمؒ نخعی سے پوچھا گیا کہ زنا کے معاملہ میں تین مرد اور دو عورتیں گواہ ھو سکتے ھیں تو اس نے جواب دیا کہ نہیں ، بہرحال زنا کے ثبوت کے لئے چار مردوں کا گواہ

ہونا ضروری ہے ورنہ وہ کوڑے کھائیں گے "۔ پانچویں روایت کا ترجمہ ہے "ابراھیم النخعی نے استہلال کے معاملہ میں ایک دائی عورت کی شہادت کو جائز ٹھہرایا "۔

حضرت ابن شہابؒ الزہری

شہادۃ النساء کے بارے میں ابن شہاب الزہری کے جو اقوال ، مختلف روایات میں ذکر ہوئے ہیں اُن میں سے ایک کا ترجمہ ہے : "حضرت ابن شہاب زہری نے کہا کہ عہد رسالت اور عہد صدیق و فاروق یعنی شیخین کے عہد خلافت میں یہ سنت رہی کہ عورتوں کی شہادت حدود ، نکاح اور طلاق میں جائز نہ ہو "۔ دوسری روایت کا ترجمہ ہے حضرت "زہری نے کہا کہ حد ، طلاق ، نکاح اور عتق میں عورتوں کی شہادت جائز اور قابل قبول نہیں لیکن وصایا میں اور دیون یعنی واجب الذمہ قرضوں اور قتل میں عورتوں کی شہادت جائز اور قابل اعتبار ہے "۔ تیسری روایت کا ترجمہ ہے "ابن شہابؒ الزہری نے کہا کہ عہد رسالت اور عہد صحابہ میں یہ طریق رہا ہے کہ عورتوں کی شہادت بغیر مرد کے ایسے امور میں جائز ہو جن سے خاص طور پر عورتوں کا تعلق رہتا ہے جیسے ولادت اور استہلال وغیرہ جن سے آگاہی عام طور پر عورتوں کو ہی ہوتی ہے "۔ چوتھی روایت کا ترجمہ ہے : زہری نے کہا کہ رضاع کے معاملے میں ایک عورت کی شہادت جائز اور مقبول ہے۔ پانچویں روایت کا ترجمہ ہے: "ابن شہاب زہری نے فرمایا حد ، طلاق اور نکاح میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں اگرچہ اُن کے ساتھ مرد شریک ہو "۔ چھٹی روایت کا ترجمہ ہے : "زہری نے فرمایا وصیت کے معاملے میں ایک عادل مرد کے ساتھ عورتوں کی شہادت جائز ہے اور یہ کہ قتل کے

معاملہ میں بھی عورتوں کی شہادت جائز ہے جب اُن کے ساتھ ایک مرد موجود ہو ،، ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ زہری کے نزدیک قصاص کے معاملہ میں مرد کے ساتھ عورتوں کی شہادت جائز اور قابل قبول ہے ۔

حضرت قاضی شریحؒ

تابعین میں ایک اہم شخصیت حضرت شریح کی شخصیت ہے جو قضا کے عہدہ پر فائز اور اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں بڑے کامیاب تھے شہادۃ عورت سے متعلق اُن کے جو اقوال بعض روایات میں بیان ہوئے ہیں ان میں سے ایک کا ترجمہ ہے : ,,حضرت شریح نے استہلال سے متعلق صرف ایک دائی عورت کی شہادت کو جائز قرار دیا ،، ۔ دوسری روایت کا ترجمہ ہے حضرت ,,شریح نے عتاق کے معاملہ میں ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی شہادت کو جائز و معتبر ٹھہرایا ،، ۔ اور تیسری روایت کا ترجمہ ہے : حضرت شریح نے مرد پر عورت کے مہر کے معاملہ میں چار عورتوں کی شہادت جائز قرار دی ۔

حضرت سفیان الثوری

حضرت سفیان الثوری سے شہادۃ عورت کے بارے دو اقوال منقول ہیں ایک قول یہ کہ حدود کے سوا باقی ہر شے میں مرد کے ساتھ عورتوں کی شہادت جائز اور مقبول ہے قصاص ، طلاق ، نکاح وغیرہ میں اور اُن امور میں تنہا عورتوں کی شہادت معتبر و مقبول ہے جن پر صرف عورتیں آگاہ ہوتی ہیں ۔ اور دوسرا قول یہ کہ حدود اور قصاص کے سوا باقی امور میں مثلاً طلاق اور نکاح میں مرد کے ساتھ عورتوں کی شہادت قابل قبول ہے اور ایسے امور میں جن سے آگاہی

عورتوں ھی کو ھوتی ہے بغیر مرد کے عورتوں کی شہادت جائز و معتبر ہے اور رضاع کے معاملہ میں ضروری ہے کہ ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت موجود ھو » ۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ

شہادۃ النساء کے متعلق امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ حدود اور قصاص کے علاوہ باقی تمام امور و معاملات میں ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت قابل قبول ہے مثلاً طلاق ، نکاح اور رجعت میں معتبر ہے اور یہ کہ رضاع اور ولادت کے ذریعے انقضاء عدت اور استہلال تنہا عورتوں کی شہادت قابل قبول نہیں ضروری ہے کہ اُن کے ساتھ مرد ھو ، البتہ ولادت اور عیوب النساء میں تنہا اُن کی شہادت بغیر مرد کے جائز اور مقبول ہے ۔

حضرت قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمد الشیبانی

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ الشیبانی یعنی صاحبین کا اپنے استاذ امام ابو حنیفہؒ سے شہادت عورت کے مسئلہ میں جو اختلاف ہے وہ یہ کہ اُن کے نزدیک انقضاء العدۃ بالولادۃ اور استہلال کے معاملہ میں بغیر مرد کے تنہا عورتوں کی شہادت جائز ہے جبکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز نہیں ۔

امام ابو حنیفہؒ کے ایک اور شاگرد امام زفر کا اس بارے میں مسلک یہ ہے کہ مرد کے بغیر تنہا عورتوں کی شہادۃ اصلاً کسی چیز میں جائز نہیں نہ ولادت میں نہ رضاع میں اور نہ عورتوں کے عیوب اور مخصوص حالات میں ، اور یہ کہ مرد کے ساتھ عورتوں کی شہادت طلاق ، نکاح اور عتق میں جائز و معتبر ہے ۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ خود ائمۃ احناف کے مابین بھی شہادۃ النساء کے متعلق مکمل اتفاق نہیں بلکہ بعض امور میں کھلا ہوا اختلاف ہے۔

حضرت امام مالکؒ مدنی

عورتوں کی شہادت سے متعلق حضرت امام مالکؒ کا جو مسلک ہے وہ یہ کہ قصاص ، حد ، طلاق ، نکاح ، عتق رجعت ، نسب ، ولاء اور احصان میں عورتوں کی شہادت جائز اور معتبر نہیں نہ مرد کے ساتھ اور نہ مرد کے بغیر اور یہ کہ عورتوں کی شہادت مرد کے ساتھ دیون قرضوں ، اموال ، وکالۃ اور ایسی وصیت میں جو عتق سے متعلق نہ ہو جائز ہے۔ اور یہ کہ عورتوں کے عیوب ، ولادت ، رضاع اور استہلال میں تنہا عورتوں کی شہادت مقبول ہے ، اور یہ کہ جہاں ایک مرد گواہ کی گواہی قسم کے ساتھ جائز ہو وہاں دو عورتوں کی شہادت قسم کے ساتھ قابل قبول اور معتبر ہے۔

حضرت امام الشافعیؒ

شہادۃ النسآء کے متعلق حضرت امام الشافعیؒ کا موقف اور مسلک یہ ہے کہ تمام مالی امور و معاملات میں بمعہ عتق کے دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے ساتھ جائز و قابل قبول ہے نیز قتل خطاء میں اور کسی انسان کے لئے مال کی وصیت میں بھی جائز ہے لیکن اصل وصیت میں کسی صورت جائز نہیں نہ مرد کے ساتھ اور نہ مرد کے بغیر ، اور یہ کہ اُن امور میں تنہا عورتوں کی شہادت جائز ہے جن پر ان کو ہی اطلاع اور آگاہی ہوا کرتی ہے۔

حضرت امام احمد حنبلؒ

ائمه مجتهدین میں سے امام احمد حنبلؒ کا مسلک بھی اس بارے میں تقریباً وهی ہے جو امام الشافعی کا ہے، دکتور وهبه زحیلی نے اپنی کتاب الفقه الاسلامی وادلّته میں لکھا ہے : مالکیه ، شافعیه اور حنابله کا شهادة النساء میں مسلک یه ہے که ایسے امور میں جن کو عام طور پر مرد نهیں دیکھتے بلکه عورتیں دیکھتی هیں بغیر مرد کے تنها عورتوں کی شهادت جائز اور قابل اعتبار ہے یه دوسری بات ہے که حنابله کے نزدیک صرف ایک قابل اعتماد عورت کی شهادت ، مالکیه کے نزدیک دو عورتوں کی اور شوافع کے نزدیک چار عورتوں کی شهادت کا اعتبار ہے۔

علامه ابن حزمؒ الظاهری

کتاب المحلّٰی میں علامه ابن حزمؒ ظاهری نے عورت کی شهادت کے متعلق اپنا جو مسلک لکھا ہے اس کا ترجمه یوں ہے : زنا کے ثبوت میں چار مسلمان عادل مردوں کی شهادت هونی چاهئیے یا هر مرد کی جگه دو مسلمان عورتیں گواه هونی چاهئیں یعنی تین مرد اور دو عورتیں یا دو مرد اور چار عورتیں ، یا ایک مرد اور چھ عورتیں یا فقط آٹھ عورتیں گواه هونی چاهئیں زنا کے علاوه باقی سب امور و معاملات میں جو حقوق سے متعلق هوں جیسے حدود ، قصاص ، نکاح ، طلاق ، رجعت اور اموال یعنی مالی معاملات میں دو مسلمان مرد گواه هونے چاهئیں یا ایک مرد اور دو عورتیں یا صرف چار عورتیں هونی چاهئیں اور یه که رضاع کے ثبوت میں صرف ایک عادل عورت یا ایک عادل مرد کافی ہے۔

عورت کی شہادت کے بارے میں فقہ جعــفریّہ کی کتابوں میں حضرت جعفر صادق کے جو اقوال ھیں مناسب سمجھتا ھوں کہ یہاں وہ بھی بیان کر دیئے جائیں ، میرے سامنے اس وقت محمد جواد مغنبہ کی کتاب فقہ الامام جعفر الصادق ہے جو فقہ جعفریہ کی مستند کتابوں کے مواد سے تالیف کی گئی اور اپنے موضوع پر اھم اور جامع کتاب ہے چھـ جلدوں پر مشتمل اور اسلوب بیان کے لحاظ سے آسان وسہل ہے اس کی جلد پانچ میں کتاب الشہادات ہے جس میں شہادت کے موضوع سے متعلق ضروری مباحث ھیں ـ بعض مباحث میں ضمناً شہادۃ النسآء کا بھی ذکر ہے مثلاً زنا کی شہادت کی بحث میں حضرت جعفر الصادق کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ زنا کے ثبوت میں تنہا عورتوں کی شہادت کا کوئی اعتبار نہیں البتہ رجم والے زنا کے ثبوت کے لئے تین مردوں کے ساتھـ دو عورتوں کی شہادت اور کوڑوں والے زنا کے ثبوت کے لئے دو مردوں کے ساتھـ چار عورتوں کی شہادت جـائـز اور قابل اعتبار ہے ، پھر حقوق العباد غیر مالیہ کی بحث میں حضرت جعفر کے نقل کردہ ایک قول کا ترجمہ ہے کہ عورتوں کی شہادت طلاق اور رویۃ الھلال میں جائز نہیں دوسری روایت کا ترجمہ ہے : طلاق اور رؤیت ھلال میں صرف دو عادل مردوں ھی کی شہادت قابل قبول ہے عورتوں کی شہادت کسی صورت قابل قبول نہیں ، پھر نکاح و زواج کے متعلق ایک سوال کے جواب میں حضرت جعفر صادق نے فرمایا اُس میں عورتوں کی شہادت جائز ہے ، اور حدود میں جائز نہیں ـ حضرت موصوف کے ایک اور قول کا ترجمہ ہے:

اُن امور میں عورتوں کی شہادت جائز اور قابل اعتبار ہے جن کا علم عموماً عورتوں ھی کو ھوتا ہے جیسے ولادت ، بکارت ، ثیوبت ، مخصوص نسوانی عیوب وغیرہ ، البتہ رضاع کے متعلق جب اُن سے

پوچھا گیا که کیا اس کے ثبوت کے لئے ایک عورت کی شہادت جائز ہے تو انہوں نے جواب دیا که کوئی اور بھی اُس کی تصدیق کرے تو جائز ہے ورنه جائز نہیں ، بعد کے شیعه فقہاء کے مابین اس مسئلے میں اختلاف رہا ہے بعض کے نزدیک رضاع کے معامله میں صرف ایک عورت کی شہادت جائز ہے اور بعض کے نزدیک جائز نہیں ۔

فقه جعفریه کی بعض کتابوں میں شهادة النساء کے متعلق جو تفصیل ہے وہ کچھ اس طرح ہے : شہادت کا تعلق جن حقوق سے ہے وہ یا حقوق الله ہوں گے یا حقوق العباد ، اگر حقوق الله ہیں تو وہ خواہ مالی ہوں جیسے زکاۃ خمس نذور اور کفارات ، یا غیر مالی جیسے حدود ، ان کے ثبوت کے لئے صرف دو مسلمان مردوں کی گواہی ضروری ہے عورتوں کی شہادت کسی صورت جائز و معتبر نہیں نه مردوں کے ساتھ اور نه مردوں کے بغیر ، سوائے زنا کے که اس میں رجم کی حد کے ثبوت میں تین مردوں اور دو عورتوں کی شہادت اور حد جلد یعنی کوڑوں کی سزا کے لئے دو مردوں اور چار عورتوں کی شہادت جائز ہے ، اور اگر وہ حقوق العباد یعنی بندوں کے حقوق ہیں تو پھر اگر وہ مالی ہیں خود مال ہیں یا اُن سے مقصود مال ہے جیسے دیون و قرضے ، غصب ، معاوضے والے عقود و معاملات ، رہن ، مال کی وصیت ، ایسی جنائت جو موجب دیت ہو جیسے قتل خطاء ، تو اس قسم کے حقوق کے ثبوت کے لئے دو مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت یا یمین و قسم کے ساتھ ایک مرد یا دو عورتوں کی شہادت درست ہے محض عورتوں کی شہادت بغیر مرد اور بغیر قسم کے درست و قابل اعتبار نہیں ۔ اور اگر وہ حقوق غیر مالی ہیں نه وہ خود مال ہیں اور نه اُن سے مقصود مال ہے جیسے اسلام اور تزکیۂ شهود نیز طلاق ، خلع ، وکالة ، وصی کا تقرر ، نسب اور روية الهلال ،

تو ایسے حقوق کے ثبوت کے لئے صرف دو مردوں کی شہادت جائز اور قابل قبول ہے عورتوں کی شہادت کسی صورت جائز اور قابل قبول نہیں ۔

ان صفحات میں عورتوں کی شہادت سے متعلق صحابہ کرام ، تابعین عظام اور تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے جو آثار و اقوال پیش کئے گئے ہیں ان میں کس قدر اختلاف بلکہ تضاد ہے۔ صرف دو امور میں شہادت نسواں کے جواز کے متعلق سب کا اتفاق ہے ایک میعادی قرضے کے بارے میں جس کا قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ ذکر ہے کہ دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بناؤ۔ لہذا اس میں کسی کو اختلاف اور انکار نہیں ، دوسرا امر جس میں عورتوں کی شہادت کو بالاتفاق جائز مانا گیا ہے عورتوں کے وہ مخصوص حالات ہیں جن کا علم عام طور پر عورتوں ہی کو ہوتا ہے اور جس کا حدیث نبوی میں واضح طور پر ذکر ہے اور عقل سلیم کے بھی عین مطابق ہے ، ان دو امور کے علاوہ باقی ہر امر اور ہر معاملے سے متعلق عورت کی شہادت کے بارے میں شدید اختلاف ہے بعض کے نزدیک نکاح ، طلاق اور عتاق میں عورت کی شہادت جائز اور دوسرے بعض کے نزدیک ناجائز ہے اسی طرح بعض کے نزدیک حدود و قصاص میں عورتوں کی شہادت بالکل جائز نہیں اور بعض کے نزدیک جائز ہے۔ نیز بعض کے نزدیک رضاع ، استہلال وغیرہ میں صرف ایک عورت کی شہادت بعض کے نزدیک دو عورتوں اور بعض کے نزدیک چار عورتوں کی شہادت قابل قبول اور قابل اعتبار ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ شہادت نسواں کے متعلق فقہاء اسلام کے مابین اختلاف مذکور کیوں واقع ہوا اور وہ کیا اسباب تھے

جو اس شدید اختلاف کا موجب اور باعث بنے ؟ اس کا جواب میرے علم و فہم کے مطابق یہ کہ وہ اسباب متعدد تھے جن میں سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ قرآن و حدیث میں سوائے دو تین معاملات کے جن کا پہلے ذکر ہو چکا باقی اُمور و معاملات کے متعلق کوئی ایسی تفصیلی ہدایت موجود نہ تھی کہ اُن میں شہادۃ النساء جائز ہے یا ناجائز یا یہ کہ کن کن معاملات میں جائز ہے اور کن کن میں جائز نہیں ، اگر ایسا ہوتا تو ظاہر ہے کہ اختلاف مذکور پیدا نہ ہوتا ۔ دوسرا سبب اس اختلاف کا یہ کہ قرآن مجید میں فریضۂ شہادت سے متعلق آیۃ مدائنہ اور آیات لعان کے سوا جو باقی آیات ہیں اُن کے الفاظ میں مذکر کے صیغے استعمال ہوئے ہیں جو بظاہر اس پر دلالت کرتے ہیں کہ ان آیات میں جس شہادت کا ذکر اور حکم ہے وہ مردوں سے مخصوص ہے عورتیں اس میں شامل نہیں ، لہذا جن علماء حضرات نے ان آیات کے ظاہری الفاظ اور صرفی نحوی قواعد کی رعایت کو ملحوظ رکھا اور اُن کا صرف وہی معنے و مفہوم لیا جو اُن کے الفاظ سے پیدا ہوتا تھا اُن حضرات نے یہ کہہ دیا کہ ان آیات میں جن امور و معاملات کا ذکر ہے اُن میں صرف مردوں کی شہادت جائز ہے عورتوں کی شہادت جائز نہیں ، میں سمجھتا ہوں ان حضرات نے اپنے قول اور دعوے کے لئے جس استدلال سے کام لیا وہ کئی وجوہ سے کمزور اور ناقابل اعتماد ہے ، پہلی وجہ یہ کہ ان آیات میں حصر اور تخصیص کے کوئی ایسے الفاظ موجود نہیں جو مردوں کی شہادت کے اثبات کے ساتھ عورتوں کی شہادت کی نفی پر دلالت کرتے ہوں ، اور دوسری وجہ یہ کہ قرآن مجید میں کثیر التعداد ایسی آیات ہیں جن میں مذکر کے الفاظ اور صیغوں سے مردوں کو مخاطب کر کے شرعی

احکام بیان ہوئے ہیں : جیسے يَآاَيُّهاَ الّذِيْنَ آمَنُوْا ، آمِنُوْا بِاللهِ ، اَقِيْمُوا الصّلاَةَ ، آتُوا الزّكَاةَ ، اَنْفِقُوْا مِمّارَزَقْنَاكُم ، لاَتَاْكُلُوْا اَمْوَالَـكُمْ بَيْنَـكُمْ بِالْبَاطِلِ ، وغیرہ ، لیکن علماء وفقہاء کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ اس قسم کی آیات کا تعلق مردوں کی طرح عورتوں سے بھی ہے اور ان کے اندر مذکور شرعی احکام کے مکلّف جس طرح مرد ہیں اسی طرح عورتیں بھی ان احکام کی مکلّف ہیں۔بنابریں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ شہادت والی آیات کا تعلق بھی مومن مردوں اور مومن عورتوں دونوں سے ہو اور فریضۂ شہادت کی دونوں مکلف ہوں جو بالاتفاق علی الکفایہ ہے یعنی بعض کے ادا کرنے سے سب کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے جیسے نماز جنازہ ،

اور جن حضرات نے ان شہادت والی آیات کے صرف لفظی معنوں کو نہیں دیکھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس مقصد کا بھی لحاظ رکھا جس کی خاطر فریضۂ شہادت مشروع ہوا یعنی ثبوت حق اور تحفظ حق ، اور پھر یہ بھی دیکھا کہ یہ مقصد جس طرح مردوں کی شہادت سے حاصل ہوتا اور ہو سکتا ہے اسی طرح عورتوں کی شہادت سے بھی حاصل ہوتا اور ہو سکتا ہے جبکہ بعض دوسری آیات سے یہ بھی ثابت اور واضح ہوتا ہے کہ فریضۂ شہادت کی اہلیت عورتوں میں بھی پائی جاتی ہے تو انہوں نے اپنے علم فہم کے مطابق یہ رائے قائم کی کہ ہر امر اور ہر معاملے میں عورتوں کی شہادت جائز ہے البتہ بعض۔مالی قسم کے معاملات اور حدود کی شہادت میں ضروری ہے کہ ایک مرد کی بجائے دو عورتیں ہوں جبکہ یہ ان امور و معاملات میں ضروری نہیں جو عورتوں سے مخصوص اور جن کا علم عام طور پر عورتوں کو ہی ہوتا ہے۔

بعض حضرات نے مختلف معاملات کی نوعیت میں جو فرق و اختلاف ہے اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے بعض امور و معاملات میں عورتوں کی شہادت کو جائز اور بعض میں ناجائز کہا اور اس میں انہوں نے قیاس کے اصول سے کام لیا اُن کی دانست میں جو معاملات ۔ دین مؤجل کے اس معاملہ سے ملتے جلتے اور جزوی مشابہت رکھتے تھے جس کے متعلق قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ عورتوں کی شہادت کے جواز کا ذکر ہے دین مؤجل کے معاملہ پر قیاس کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا کہ ان کے متعلق بھی عورتوں کی شہادت شرعاً جائز اور قابل قبول ہے ، اور جو معاملات اپنی نوعیت اور اپنے مقصد کے لحاظ سے دین مؤجل کے معاملہ سے مختلف تھے جیسے حدود کے معاملات کہ وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے غیر مالی ھیں اور اُن میں شہادت کا مقصد مالی حق کا تحفظ اور ثبوت نہیں جیسا کہ دین مؤجل اور اس جیسے دوسرے مالی معاملات میں ہوتا ہے ، نیز حدود ، حقوق العباد کے بجائے حقوق اللہ کے ذیل میں آتے ھیں کیونکہ حدود جب قاضی اور حاکم کے سامنے ثابت ہو جائیں تو بندوں کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہو سکتے جبکہ مالی حقوق ثابت ہو جانے کے بعد بھی صاحب حق کے معاف کر دینے سے معاف ہو جاتے ھیں ، ایک اور خاص فرق ان دونوں کے درمیان یہ بھی ہے کہ حدود ، شبہات سے ساقط ہو جاتے ھیں جیسا کہ بعض احادیث نبویہ میں ہے اور مالی حقوق شبہات سے ساقط نہیں ہوتے لہذا حدود جیسے معاملات سے متعلق ان حضرات نے یہ رائے قائم کی اور یہ فتوی دیا کہ ان میں عورتوں کی شہادت کا اعتبار نہیں ہے ۔ کیونکہ اس میں شبہ کا احتمال ہوتا ہے ۔

اس بارے میں اصل بات یہ ہے کہ سوائے اُن امور و معاملات کے جن کے متعلق قرآن و حدیث میں عورتوں کی شہادت کے جواز کا صریح طور پر بیان ہے باقی امور و معاملات میں عورتوں کی شہادت کے جواز و عدم جواز کا مسئلہ اجتہادی مسئلہ ہے لہذا جس طرح ہر اجتہادی مسئلہ کے متعلق عموماً اجتہاد کرنے والے علماء و فقہاء کے مابین اختلاف آراء و اقوال رونما رہا ہے جب انہوں نے اپنے علم و فہم کے مطابق انفرادی طور پر اجتہاد کئے اسی طرح شہادة النساء کے اجتہادی مسئلہ کے متعلق بھی اُن کے اجتہادات کا نتیجہ اختلاف آراء کی صورت میں ظاہر ہوا جس کی کچھ پہلے تفصیل پیش کی گئی ، میں سمجھتا ہوں اگر اس قسم کے امور و مسائل کے متعلق انفرادی اجتہاد کی بجائے اجتماعی اجتہاد کا طریقہ اختیار کیا جاتا تو شائد اتنا زیادہ اختلاف آراء ظہور میں نہ آتا جتنا کہ انفرادی اجتہادات سے وجود میں آیا ۔

چونکہ بعض اموراحادیث نبویہ کےمطابق مجتہد مصیب بھی ہوتا ہے اور مخطی بھی یعنی کسی مسئلہ کے بارے میں اس کی قائم کردہ اجتہادی رائے کبھی صواب و درست ہوتی ہے اور کبھی خطاء و نادرست ، یہ دوسری بات ہے کہ رائے کے خطاء و نادرست ہونے کی صورت میں بھی اُس کو عنداللہ اجر و ثواب ملتا ہے کیونکہ اس کی نیت درست ہوتی اور اس کا مقصد حتی الوسع شارع کا منشا معلوم کرنا ہوتا ہے ، بنابریں خواتین کی شہادت کے متعلق فقہاء کرام کے جو مذکورہ اجتہادی اقوال و آراء ھیں اُن میں سے ہر ایک کے متعلق یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ وہ صواب و درست ہو اور یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ وہ خطاء و نا درست ہو ، کسی ایک رائے اور قول کو نہ قطعی طور پر درست کہا جا سکتا ہے اور نہ حتمی طور پر

نادرست ، اور یہ کہ اُن میں سے کسی رائے اور قول کی حیثیت اجماعی نہیں جو قرین صواب اور سب کے لئے واجب التعمیل ہوتی ہے۔

بہرحال اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ عورت کی شہادت سے متعلق فقہاء کے جو شدید اختلافات ہیں ختم یا کم سے کم ہوں تو اس کا صحیح طریقہ اجتماعی اجتہاد کا طریقہ ہے۔ مطلب یہ کہ اجتہادی صلاحیت رکھنے والے بلند پایہ جید علماء کی ایک جماعت مل جل کر اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر از سر نو غور و فکر کرے سب سے پہلے اس اصولی تصور کو متعین اور معلوم کرے جو فریضۂ شہادت کے متعلق قرآن و حدیث میں پایا جاتا ہے ، فریضۂ شہادت سے متعلق اسلام کے اصولی تصور کے تعین میں خاص طور پر اس غرض اور مقصد کو سمجھنے اور متعین کرنے کی کوشش کی جائے جس کی خاطر فریضہ شہادت مشروع اور تجویز ہوا ہے ، پھر پورے غور سے معروضی انداز میں یہ دیکھا جائے کہ اس فریضہ کو ادا کرنے کی قدرت اور صلاحیت صنفی طور پر مردوں اور عورتوں دونوں کے اندر پائی جاتی ہے یا صرف مردوں کے اندر پائی جاتی ہے ، اگر دونوں کے اندر پائی جاتی ہے تو پھر ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کو رکھنے کی حکمت و مصلحت کیا ہے ؟ اور یہ کہ یہ حکمت و مصلحت خاص زمان و مکان کے کسی مخصوص معاشرے سے تعلق رکھتی ہے یا ہر زمان و مکان کے ہر معاشرے کے لئے عام اور ابدی حیثیت رکھتی ہے ؟ اور یہ کہ اگر اسلام فریضۂ شہادت میں نظری طور پر مردوں اور خواتین کو برابر کا درجہ دیتا اور ہر معاملے میں اُن کی شہادت کو یکساں طور پر جائز قرار دیتا ہے تو کیا عملی طور پر اُن کے مخصوص حالات کے پیش نظر ان دونوں کے درمیان کچھ فرق کرتا ہے ؟ اگر کرتا

ہے تو اس کی معقول توجیه کیا ہو سکتی ہے ۔ مطلب یه که کیا اسلام کسی ایسی تفریق کا قائل ہے که عملاً اس قسم کے امور و معاملات میں صرف مردوں کی شہادت اور اس قسم کے امور و معاملات میں صرف عورتوں کی شہادت ہونی چاہئیے ؟ اگر قائل ہے تو کس وجه سے قائل ہے ؟

مسئله شہادت کے یه ہیں وہ چند پہلو جو اجتماعی اجتہاد سے متعین ہونے چاہئیں اور جن کو متعین کرنے کی آج اس لئے ضرورت ہے که اس کے بغیر اسلام کا تصور شہادت واضح نہیں ہو سکتا بالخصوص یه که اسلامی تصور شہادۃ میں شہادۃ النساء کی کیا حیثیت ہے جو اس وقت ہمارے زیر بحث ہے۔

اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے آخر میں یه عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں که میں نے انفرادی طور پر اپنے علم و فہم کے مطابق اس مسئله پر جو کچھ پڑھا اور سوچا سمجھا ہے اُس کا حاصل اور نتیجه کیا ہے ؟

اس مسئله کے متعلق قرآن و حدیث کے مطالعے اور غور و فکر سے جو کچھ میں سمجھ سکا ہوں وہ یه که جہاں تک نفس اہلیت شہادۃ کا تعلق ہے عورتوں اور مردوں دونوں کو یکساں طور پر حاصل ہے اس لحاظ سے صنف مرد اور صنف عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں لہذا ہر وہ معامله اور واقعه جس میں مرد کی شہادت جائز ہے اُس میں عورت کی شہادت بھی اصولاً جائز ہونی چاہئیے ، دوم یه که اس کے باوجود که نظری اور اصولی طور پر مردوں اور عورتوں کی شہادت ہر معامله میں جائز اور قابل اعتبار ہے لیکن اسلام یه چاہتا ہے که عملی طور پر اس فریضه کو مرد ہی انجام دیں اور وہی اس بوجھ کو اٹھائیں عورتیں عملاً اس میں حصه نه لیں

سوائے ایسی صورت کے کہ شدید ضرورت ہو اور جبکہ اُن کے حصہ لئے بغیر وہ ضرورت پوری نہ ہو سکتی ہو ، اور یہ اس لئے کہ ایک تو خواتین کو اس فریضہ سے طبعاً اور مزاجاً دلچسپی نہیں ہوتی اور دوسرے اسلام میں اُن کے جو اصل خانگی اور گھریلو فرائض ھیں اور جن سے اُن کو طبعاً دلچسپی بھی ہوتی ہے بجائے خود انکا بوجھ ان پر کافی ہوتا ہے اور اُن کا تقریباً پورا وقت اُن کی ادائیگی میں صرف ہو جاتا ہے ۔ فریضۂ شہادت اجتماعی فرائض میں سے ہے جن کا تعلق براہ راست مردوں سے ہوتا ہے عورتیں بامر مجبوری اُن میں حصہ لے سکتی ھیں جب مرد موجود نہ ھوں یا شہادت کا معاملہ عورتوں ھی سے متعلق عموماً اُن ھی کے علم میں آتا ہو ۔ مطلب یہ کہ عورتوں کے لئے دوسرے اجتماعی فرائض کی طرح فریضۂ شہادت میں بھی حصہ لینا حرام و ممنوع نہیں بلکہ ضرورت پڑنے پر لے سکتی ھیں بشرطیکہ ان کے اصل فرائض کی ادائیگی میں خلل واقع نہ ہو ۔ یہاں یہ ملحوظ رہے کہ ھماری اس تحریر کا تعلق اسلامی معاشرے سے ہے جس کی تشکیل قرآن و سنت میں مذکور اسلامی تعلیمات کے مطابق واقع ہوئی ہو غیر اسلامی مغربی مشرقی معاشروں سے نہیں جن میں خاندانی ادارے کی وہ حیثیت اور اھمیت نہیں جو اسلامی معاشرے میں ہے نیز جن میں عورت کی شخصیت کا وہ احترام اور لحاظ نہیں جو اسلامی معاشرے میں ہے چنانچہ ایک صحیح اسلامی معاشرے میں وہ حالات اور مسائل پیدا ھی نہیں ہو سکتے جو موجودہ غیر اسلامی مغربی معاشروں میں پائے جاتے ھیں اور جن کی وجہ سے شہادت عورت کے متعلق ھماری مذکورہ باتیں ناقابل عمل معلوم ہوتی اور نامعقول نظر آتی ھیں ـ مغرب کے مادہ پرست معاشروں میں آزاد ی و مساوات کے نام پر عورت کو ایسے مسائل میں الجھا دیا گیا ہے جو

حقیقت میں اس کے مسائل نہ تھے لہذا وہ حقیقی سکون و اطمینان سے محروم اور پریشان حال ہے اور وہاں یہ صورت حال اتنی زیادہ الجھ اور بگڑ چکی ہے کہ اَب اس کو سلجھانا اور درست کرنا نہایت مشکل بلکہ ناممکن اور محال ہو کر رہ گیا ہے۔

سوم یہ کہ میں سوائے اُن امور کے جن کے متعلق بعض احادیث میں ایک عورت کی شہادت کے قبول کئے جانے کا ذکر ہے جیسے رضاعت ، باقی سب امور و معاملات میں ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کی شہادت کو ضروری سمجھتا ہوں اور یہ اس وجہ سے نہیں کہ عورت کی شہادت میں کچھ نقص اور کمی ہے بلکہ اس وجہ سے کہ اس سے ایک عورت کو دوسری ساتھی عورت سے تقویت پہنچتی اور اُس کے اس بوجھ میں کمی اور تخفیف ہو جاتی جو شہادت کی بدولت اُس پر پڑتا ہے گویا ذمہ داری کا وہ بوجھ جو ایک مرد گواہ پر پورا پڑتا ہے دو گواہ عورتوں پر بٹ کر آدھا آدھا ہو جاتی ہے یہ گویا عورتوں کے مخصوص حالات کے پیش نظر اُن کے ساتھ خاص رعایت اور نرمی و شفقت کا سلوک ہے جس سے مردوں کو محروم رکھا گیا ہے دو مرد گواہوں کے لئے یہ رعایت نہیں کہ وہ قاضی اور جج کے سامنے ایک ساتھ ملکر شہادت دیں اور بیان میں اختلاف کے باوجود اُن کی شہادت قبول کی جائے جبکہ دو عورتوں کی شہادت باوجود اختلاف کے قبول ہوتی ہے اور اُن کے لئے اجازت ہے کہ بیان شہادت میں ایک دوسری کو اُس کی بھول چوک پر متنبہ کرے اور لقمہ دے اس سے ان کی شہادت مسترد نہیں ہوتی ۔

چہارم یہ کہ میں اگرچہ عورتوں کی شہادت کو اصولی و نظری طور پر حدود میں بھی جائز سمجھتا ہوں لیکن فطری طور پر عورتوں کے مزاج کی نرمی ، جذبات کی رقت ، دوسروں کی اذیت و تکلیف کو

دیکھ سن کر فوراً متأثر اور جلد رنجیدہ ہونے اور پھر دیر تک رنجیدہ رہنے کی کیفیت کے پیش نظر اس کو درست سمجھتا ہوں کہ عملاً عورتوں کو حدود کی شہادت سے الگ رکھا جائے تاکہ وہ رنجیدگی اور ذہنی اذیت میں مبتلا نہ ہوں، مطلب یہ کہ جب یہ ایک امر واقعہ ہے کہ عام طور پر عورتیں کسی انسان کو کوڑے لگائے جانے یا اس کے ہاتھ کاٹے جانے کی خبر سن کر ضرور ملول و رنجیدہ ہوتی اور ذہنی اذیت محسوس کرتی ہیں تو پھر یہ کیسے گوارا کر سکتی ہیں کہ اُن کی شہادت سے کسی کا ہاتھ کٹے اور اُس پر کوڑے برسیں اگرچہ وہ اس سزا کا مستحق ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اس صورت میں اُن کو یہ احساس برابر ستاتا اور ذہنی اذیت میں مبتلا رکھتا ہے کہ ان کی شہادت سے کسی کے ہاتھ کٹے یا اس کو درے اور کوڑے لگے ہیں، بنابریں عورت کی بھلائی اور خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ اُس کو حدود اور قصاص کی شہادت سے دور رکھا جائے سوائے ایسی صورت کے کہ جہاں اس کے بغیر کوئی راستہ اور چارۂ کا ر نہ ہو مثلاً کسی ایسی جگہ میں حد وقصاص کا جرم واقع ہوا ہو جہاں صرف عورتیں ہی موجود ہوں جیسے عورتوں کا ہاسٹل یا دارالامان جس میں لاوارث قسم کی عورتیں قیام پذیر ہوتی ہیں ان کے سامنے زنا، چوری یا قتل کا جرم ہو جائے تو ایسی صورت میں قاضی و حاکم عورتوں کی شہادت پر حد کا فیصلہ دے سکتا ہے جیسا کہ ابن ابی شیبہ کی ایک روایت کے مطابق ایک موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دیا، روایت میں اُس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے ایک مجلس میں دس خواتین بیٹھی بات چیت کر رہی تھیں اُن میں سے ایک کا نومولود بچہ کپڑے میں لپٹا پڑا ہوا تھا اچانک ایک خاتون کسی ضرورت کے لئے اُٹھ کر چلی تو اُس کا پیر اُس بچے پر پڑا اور وہ مر گیا اس کی

ماں چلا اُٹھی کہ اس کے بچے کو اس عورت نے قتل کر دیا چنانچہ یہ مقدمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا اور وھاں موجود دس عورتوں نے شہادت دی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شہادت کو قبول فرماتے ہوئے یہ فیصلہ دیا کہ قتل خطاء کرنے والی عورت دیت ادا کرے ۔ لہذا آج بھی کہیں ایسی صورت حال ہو یعنی صرف عورتوں کے سامنے حد یا قصاص کا جرم ہوا ہو تو قاضی اور جج سنت علی رضی اللہ عنہ پر عمل کرتے ہوئے عورتوں کی شہادت پر اعتماد کر سکتا اور حد اور قصاص کا فیصلہ دے سکتا ہے ۔

سطور بالا میں میں نے شہادۃ النسآء کے متعلق اپنے مطالعے اور غور و فکر کے جو نتائج پیش کئے ھیں یہ ایک غیر معصوم اور خطا کار انسان کی علمی و فکری کاوش پر مبنی ھیں لہذا یہ صحیح و صواب بھی ہو سکتے ھیں اور غلط و خطاء بھی بہرحال ان کی حیثیت نہ کسی مفتی کے فتوے کی ہے اور نہ قاضی کے فیصلے کی بلکہ ایک محقق کی تحقیق کے حاصل کی ہے جس سے اتفاق بھی ہو سکتا ہے اور اختلاف بھی اور جسے قبول بھی کیا جا سکتا ہے اور ردّ بھی ، اور جس کے درست و نادرست ہونے کا فیصلہ حقیقت پسند اور منصف مزاج علماء کرام ھی کر سکتے ھیں ۔

اور پھر جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ھوں اس قسم کے اختلافی مسائل کے حل کرنے کا صحیح طریقہ اجتماعی اجتہاد کا طریقہ ہے جس میں بنسبت انفرادی اجتہاد کے غلطی کا امکان کم ہوا کرتا ہے ، قرآن مجید کی آیت : اَمْرُھُمْ شُورٰی بَیْنَھُمْ میں اجتماعی امور و مسائل کو اجتماعی مشورے سے طے کرنے کی جو تعلیم ہے اُس کا تعلق اس قسم کے مسائل سے بھی ہے لہذا علماء کرام پر جو اجتہاد کی صلاحیت و قابلیت رکھتے ھوں یہ ذمہ داری عائد ھوتی ہے کہ وہ

جڑ مل کر ایک جگہ بیٹھیں اور باھمی مشورے اور اجتماعی غور و فکر سے اس طرح کے اختلافی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کریں اور اس میں اس کا لحاظ رکھیں کہ ایک متفقہ حل تجویز ہو خواہ اس میں کتنا ھی زیادہ وقت کیوں نہ لگ جائے۔